بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سلسلہ دعوت نمبر 6

لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ

اس کو غیر اللہ سے پاک ذہنوں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

اور جو اللہ کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں۔ پس یقیناً وہی اللہ کا انکار کرنے والے ہیں۔ 5/44

(''حقیقت صوم'' مصنف ڈاکٹر قمر الزمان)

تنقیدی جائزہ

اور

الصیام قرآن کی روشنی میں

☆بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ☆

فریضہ حق جانتے ہوئے موصوف کے غیرقرآنی مئوقف پر تنقیدی رائے کا اظہار کیا ہے تاکہ لفظوں کی بناوٹی سٹوری کا پول کھل جائے اورقرآن کا مئوقف سامنے آئے اور قرآن کی اتباع کا حق ادا ہو۔

تمہید:اللہ اورآخرت پر بن دیکھے ایمان اور اس کے علاوہ جو اللہ نے بتایاہے بن دیکھے ماننا متّقین بننے کیلئے شرطِ اوّل ہے۔قرآن اللہ کی کتاب ہے۔اللہ ہمارا خالق و مالک ہے۔ہم اس کے غلام ہیں،عباد ہیں۔ غلاموں کو اس نے عقل اس لئے دی ہے کہ وہ مالک کو پہچانیں اوراس کی منشا معلوم کریں۔گویاعقل اتباعِ قرآن کے لئے دی ہے حکم کی تعمیل کیلئے دی ہے۔مالک کے حکم کو بدلنے اورحکم میں رائے زنی کرنے کیلئے عقل نہیں دی۔کیونکہ یہ فریب دینے والی عقل شیطانی ہے جو قرآن کی اتّباع نہیں بلکہ قرآن کو اپنے تابع کرنے والی ابلیسی عقل مالک کی باغی ہے۔لہٰذا مودبانہ گذارش ہے کہ ثابت شدہ قرآنی حکم کی اتباع کروکیونکہ یہ مالک کی منشاء اورحکم ہے۔اس حکم کی تعمیل میں جان اور مال کی قربانی مالک کی منشاءہے اور اسی میں فائدہ ہےکیونکہ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ (2/232) اللہ جانتا ہے اورتم علم نہیں رکھتے۔تقویٰ صرف مالک کاحکم ماننا ہے۔نفع اورنقصان معیارِ تقویٰ نہیں ہے اورہر حکم تقویٰ کی سیڑھی کا ایک زینہ ہے کوئی ایک حکم مکمل تقویٰ نہیں ہے۔مکمل تقویٰ کیلئے سوفیصد قرآن پرعمل کرنا پڑے گا۔ایک حکم کی نافرمانی بھی تقویٰ کی تکمیل میں روک ہے۔لہٰذا مالک کاحکم مان کرکسی پراحسان نہیں کرنا چاہیے۔اس حکم کی تعمیل میں جان بھی چلی جائے یہ اس کے فائدے کیلئے ہے مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ 45/15 جوعمل صالح کرتا ہے پس اس کے اپنے فائدے کیلیے ہے۔یہ قرآن انسانوں کے ارادے اوراختیار کا ایک ٹیسٹ ہے کہ وہ اپنے ارادےاوراختیار کے باوجود حقیقی مالک و حاکم کوتسلیم کرتے ہیں یانہیں۔ایسا تونہیں کہ جوحکم نہیں دیااسے اللہ کاحکم بنا دیا اور جو اس نےحکم دیا اس کی جزئیات تک بتا دیں اسے اپنی من چاہی تاویل سے بگاڑ دیا اور اپنا من چاہاحکم بنا دیا یہ دونوں قسم کی روش افترٰی کے زمرے میں آتی ہے وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ (6/21) لہٰذا اللہ کی کبریائی کا ثبوت اگرکوئی انسان پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ صرف اورصرف یہی ہے کہ وہ اللہ کو اپنارب مان لے اوراس کے حکم کی تعمیل میں اپنا خیال اور خواہش پیش نہ کرے۔اگراس کی ہدایت ایزاٹ از(as it is) جیسی ہے ویسے تسلیم نہ کی گئی اورقرآن کوعقل کے تابع کیا گیا تو وہ جہالت اورکفرکا رویہ کہلائے گا۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن عقل کے تابع نہ کیا جائے توعقل کی کارکردگی کیارہ جاتی ہے۔تومحترم بڑی سادہ سی بات ہے کہ غلاموں کی عقل مالک کی منشاءمعلوم کرکے حکم کی تعمیل ہوتی ہے۔اس سے آگے عقل کا استعمال بغاوت والی عقل ہوتی ہے جس کا استعمال کافر ومشرک اورمخالفینِ قرآن کر رہے ہیں۔لہٰذا غلاموں کی عقل قرآن کی حدود میں رہتی ہے۔عقل کا کام مالک کی منشاءمعلوم کرنا ہے کہ مالک کب،کیا اورکس کاحکم ماننے کیلئے کہتا ہے لہٰذا وہی کرنا ہے جو اس نےحکم دیا ہے اور وہ نہیں کرنا جس سے منع کر دیاہے یعنی یہ سمعنا و اطعنا کا بےمثال نظم ونسق ہے۔عقل اللہ نے مالکِ حقیقی کو جاننے

کیلئے اور اُس کی منشاء سمجھنے کیلئے دی ہے۔قرآن کی اتباع کے لئے دی ہے۔قرآن کو اپنی عقل کے پیچھے لگانے کیلئے عقل نہیں دی۔قرآن پر اعتراض کرنے کیلئے نہیں دی۔اپنی خواہشات منوانے کیلئے نہیں دی۔جس حکم میں دنیاوی نقصان نظر آئے یا خواہش پر پابندی لگے عقل ماننے سے انکار کرتی ہے۔مالک سے بغاوت کرتی ہے۔اللہ، یومِ آخرت، ملائکہ، تمام نازل شدہ کتابوں اور انبیاء پر قرآن کے مطابق ایمان کا نہ ہونا شرک کی بنیادی وجہ ہے۔قرآن جو کہ حاکم کتاب ہے۔ اللہ کی لاریب ہدایت ہے۔اُسے محکوم، مشکوک، غیر مفصل، مبہم اور غیر اللہ کی کتابوں کا محتاج قرار دینا قرآن فہمی کیلئے بہت بڑی رکاوٹ ہے۔اور یہ کتنا بڑا خسارہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ سے دور گمراہی میں چلا جائے۔یہ قرآن سیدھی راہ ہے پس اسی کی اتباع کرو اور دوسری کتابوں کی راہ پر نہ چلو۔ پس وہ تمہیں اس قرآن کی راہ سے دور کر دیں گیں۔6/153 یہ آیت غیر قرآنی کتابوں سے ہدایت نہ لینے اور اُن سے بچنے کیلئے نشانِ راہ ہے۔لیکن انسان نے بار بار قرآن سے ہٹ کر غیر قرآنی کتابوں کو اپنا راہنما بنایا۔اس کے ذہن میں بے ایمانی کا صدیوں پرانا مرض ہے۔اگر کوئی اس موذی مرض کے ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو تندرست خیال کرتا ہے تو وہ کبھی بھی وحی کردہ نسخہء کیمیا قرآن سے اپنا علاج نہیں کرائے گا۔اس طرح جو شخص اُس کے مرض کی نشان دہی قرآن سے کرائے اور پھر یہ مریض اپنے مسیحا کو پاگل اور دیوانہ کہے تو یہ اُس کی تباہی اور بربادی ہے۔ایسے مریض کا علاج نا ممکن ہے۔اب صورتِ حال یہ ہے کہ انسان ذہنی مریض ہے اس کے ذہنی مرض کا بنیادی تعلق اللہ، آخرت اور قرآنی نظریات کو نہ ماننے کی وجہ سے ہے۔جس کا کافی اور شافی علاج صرف حکیم وعلیم ذاتِ اقدس اللہ کے پاس ہے جس نے انسان کے ذہنی امراض کو دور کرنے کیلئے قرآنِ حکیم نازل فرمایا 10/57۔المیہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مریض سمجھتا ہی نہیں اور ظلم کی انتہا یہ ہے کہ مرض کی نشان دہی کرانے والے کا وہ دشمن ہو جاتا ہے۔لہٰذا قرآن سے اور قرآن پیش کرنیوالے سے وہ عناد ودشمنی میں اتنی دور چلا گیا ہے۔نہ وہ قرآن کی آواز سمجھتا ہے اور نہ وہ اُس سے ہدایت لیتا ہے۔ اس وجہ سے انسان بے شمار ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہے۔کیونکہ وہ قرآن چھوڑ کر جہالت میں ڈوبا ہوا ہے۔غیر تو قرآن مانتے ہی نہیں اور قرآن ماننے والے بھی قرآن کی بات نہیں مانتے اور نہ سنتے ہیں۔جس کی وجہ سے شرک، بدنظمی، نافرمانی، بددیانتی، وعدہ خلافی، بدکاری، شہادتِ حق سے انکار، فرضِ منصبی سے غفلت، انفاق فی سبیل اللہ سے گریز، تفرقہ، خود غرضی، تعصب، ضد، انا پرستی، آباء پرستی، تنگ دلی، ظلم وافترٰی پردازی، جھوٹ، رشوت، چوری، اقرباء پروری، ڈاکہ زنی، الرّبٰوا کھانا اور دوسرے باطل ذرائع سے کمانا، حق کو چھپانا، عدل نہ کرنا، دین فروشی، ماانزل اللہ کی تبلیغ نہ کرنا، بُرے لوگوں سے دوستی اور اُن کی حمائت اور پشت پناہی کرنا، والدین اور مرکزِ رسالت کی نافرمانی اور اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ (مال واولاد اور ازواج) کی دنیاوی محبت نے انسان کو ناحق شناس بنا دیا ہے۔مذکورہ خرابیوں اور اخلاقی بیماریوں سے بھر پور بیمار معاشرہ اپنے جرم کا اعتراف نہ کرے اور اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہو تو ایسے معاشرے میں صحت مندی اور اصلاح کے مواقع معدوم ہو جاتے ہیں۔معاشرے کا ہر قدم تباہی اور بربادی کی طرف جاتا ہے۔کی دنیاوی محبت نے انسان کو ناحق شناس بنا دیا ہے۔مذکورہ خرابیوں اور اخلاقی بیماریوں سے بھر پور بیمار معاشرہ اپنے جرم کا اعتراف نہ کرے اور اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہو تو ایسے معاشرے میں

صحت مندی اور اصلاح کے مواقع معدوم ہو جاتے ہیں۔معاشرے کا ہر قدم تباہی اور بربادی کی طرف جاتا ہے۔
مذکورہ بداعمال معاشرہ جسے گلوبل ولیج کہا جاتا ہے۔اللہ کے عذاب کی طرف بڑی تیزی سے جا رہا ہے۔انسان کی کامیابی اور کامرانی کا دروازہ بند ہے۔قدرتی آفات اور بیماریاں تنبیہات ہیں کہ شاید لوگ اللہ کی کتاب کی طرف لوٹ آئیں مگر ایسا دور دور تک دکھائی نہیں دیتا۔اس بے حسی کا نتیجہ ہے کہ بھوک، پیاس، قتل وغارت اور بے شمار دکھوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔اللہ کی حاکمیت اور اُس کے نازل شدہ ضابطہ کو جو زہر کا تریاق ہے اُسے چھوڑ کر جمہوریت، مادی ترقی اور سائینسی اصلاحات میں انسان کے دکھوں کا علاج تلاش کیا جارہا ہے یہ زہر کو تریاق سمجھنے والی مردہ قوم ہے۔انسان کو علم ہونا چاہیے کہ مادی ترقی میں اگر ماانزل اللہ کے اخلاقی اصول وضوابط کا فقدان ہے تو یہ ترقی انسان کی زندگی نہیں بلکہ تباہی کا پیش خیمہ ہے۔
اَمْ لَھُمْ مُّلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝ جُنْدٌ مَّاھُنَالِکَ مَھْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝
کیا سمٰوات وارض اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے سب کی بادشاہی اُن کے پاس ہے؟ پھر چاہیے کہ اسباب میں ترقی کر لیں۔ 10
یہ ایک گروہ ہے جو یہاں ہی دوسرے گروہوں کی طرح شکست خوردہ ہے۔38/11 یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔
اس کا آپ ہر روز مشاہدہ کر رہے ہیں اور انسان کا مستقبل مایوس کن حد تک تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ہر آنے والا دور پہلے سے زیادہ کرپٹ اور جرائم سے بھرا ہوا ہے۔معاشرہ جب جرائم میں ترقی کر رہا ہو اور کوئی آدمی معاشرہ کے سدھرنے کیلئے پُر اُمید ہو۔اسے احمقوں کی جنت میں رہنے والا عقل سے محروم انسان کہہ سکتے ہیں۔موجودہ مادی ترقی اور ایٹمی اسلحے سے لیس طاقتیں اور منظّم فوجی حکومتیں بھی گلوبل ولیج کے خراب حالات کو درست کرنے میں ناکام ہیں۔اللہ کا اعلان ہے کہ ماانزل اللہ اخلاقی ضابطہ کے نفاذ کے بغیر کرپٹ معاشرے کی اصلاح ناممکن ہے۔یہ اللہ کی ایک طے شدہ مشیت ہے جس کو انسان چیلنج کر رہا ہے۔اور انسان اللہ کو کسی صورت میں بھی ہرا نہیں سکتا۔ اگر یہ معاشرے کی اصلاح چاہتا ہے تو اسے قرآن اور صرف قرآن کی طرف رجوع کرنا ہوگا ورنہ اللہ کے عذاب کا انتظار کرے۔یہ بُرائیاں کسی ایک فرد یا قوم کی تباہی نہیں بلکہ پورے گلوبل ولیج یعنی پورے انسانی معاشرے کی تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔یہ اللہ کی طرف سے قرآنی انذار ہے۔کیا یہ جاننے کے بعد بھی اللہ کی نافرمانی سے نہیں بچو گے۔ظالموں، مشرکوں اور نافرمانوں کیلئے دردناک عذاب کی خبر قرآن حکیم میں بار بار دوہرائی گئی ہے۔یہ صرف قرآن کی اتباع کرنے والے باشعور عقل والے ہی سمجھتے ہیں۔باقی مذاق اُڑانے والوں کی کثرت ہے۔آباء و اجداد کی اتباع کا طوطی بول رہا ہے۔قرآن مہجور ہے۔
اندھیروں کو نور، ریب کو لاریب اور ظن یعنی عقل کو وحی کے مقابلے میں معیار قرار دے کر قرآن کے معیارِ حق ہونے اور اس کی اتباع سے انکار کیا جارہا ہے۔قرآن کو عقل کے تابع کر کے اپنے نفس کو اِلٰہ بنا لیا ہے جبکہ عقل کو وحی کی اتباع کا حکم ہے اور عقل کو بھی وحی کے پیمانے پر چیک کرنے کا حکم ہے کیونکہ عقل پیمانہ اور معیار نہیں ہے۔قرآن نور، لاریب اور حق ہے، یہی معیار اور پیمانہ ہے۔بھلا بتاؤ تو سہی اندھیرا اور نور برابر ہو سکتے ہیں۔ریب کبھی لاریب کی تصدیق اور تشریح ہوسکتا ہے اور حق عقلی ظن کا محتاج ہوسکتا ہے۔اگر اس میں دو رائے نہیں تو یہ ہمارے معاشرے میں کیوں ہو رہا ہے؟ کیا اب بھی

عقل سے کام نہیں لو گے اور غور وفکر نہیں کرو گے؟ اب یہ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا کہ کون خسارے میں ہے قرآن کی اتباع کرنے والا یا غیر قرآن کی اتباع کرنے والا۔تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

افسوس ہے کہ قرآن نے عقل سے بطور آلہ اور ہتھیار کام لینے کیلئے کہا ہے یہ میزان نہیں ہے اور انسان نے عقل ہی کو معیار بنا کر وحی میں تحریف کی، غلط رویے اختیار کر لئے جبکہ عقل اندھی ہے وحی کی لاٹھی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔عقل وحی کی روشنی کی اتباع کر کے صراط مستقیم پر چل سکتی ہے کیونکہ وحی میزان ہے۔لہٰذا عقل کا صرف یہ کام ہے کہ وہ وحی سے مالک وخالق کی پہچان کرے اور مالک کی منشاء اور حکم کو معلوم کرے اور اُس کی اتباع کرے اور حکم کی تعمیل میں اپنا مال و جان نثار کر دے۔بذات خود عقل ظن وتخمین کی دنیا ہے۔یہ صرف اندازے اور اٹکل پچو سے زیادہ کوئی کام نہیں کر سکتی۔ہاں اگر کوئی طے شدہ پیمانہ ہو تو اُس پر اشیاء مادی ہوں یا غیر مادی، عقل کو اللہ نے طے شدہ پیمانے پر چیزوں کو پرکھنے کی صلاحیت دی ہے۔اسے پیمانہ قرار نہیں دیا۔اس فارمولے کے تحت انسان سائنس میں ترقی کر رہا ہے کہ اپنے عقلی اٹکل پچو اور ظنی مفروضوں کو ما انزل اللہ پیمانے (تخلیقِ کائنات) پر پرکھتا ہے۔بار بار پرکھتا ہے جب تک ما انزل اللہ پیمانہ (تخلیقِ کائنات) اُسے پاس نہیں کرتا وہ ہٹ اور ٹرائل کا عمل دوہراتا رہتا ہے۔کائنات میں اللہ کا فعل (work of Aallah) سائنسی دنیا میں پیمانہ ہے۔اسے تمام دنیا مانتی ہے لیکن اخلاقی ضابطہ حیات میں کلام اللہ (words of Allah) یعنی قرآن کو غیر مسلم تو کیا ایمان والوں کی اکثریت پیمانہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔قرآن کہتا ہے فرقہ نہ بناؤ۔قرآن کو پیمانہ نہ ماننے کی وجہ سے اُمتِ مسلمہ فرقوں میں بٹی آپس میں دست وگریبان ہے۔ہم اپنے اخلاقی ضابطہ کو قرآن پر ٹیسٹ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس میں ہماری روایت پرستی اور عقل پرستی اور کچھ زن وزر اور دنیاوی مفاد پرستی بھی شامل ہے جو ہمیں قرآن سے دور کرتی چلی جا رہی ہے۔لہٰذا ان چیزوں کو اتباع قرآن کے مقام پر رکھ کر ماننا ہے اس کا درست استعمال صراطِ مستقیم میں باعثِ معاون ومددگار بنے گا۔جب روایت پرستی اور عقل پرستی اور زن وزر اور دنیاوی مفاد پرستی کو قرآن کی بجائے معیار اور پیمانہ بنا لیں گے تو قرآن کا کوئی حکم جو اس کی مخالفت کرے گا وہ انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوگا اور وہ اس حکم کا علی اعلان انکار کرے گا یا اُس کو اپنے غیر قرآنی معیار پر پرکھتے ہوئے قرآنی حکم کو بدلنے کی کوشش کرے گا۔اس طرح قرآن پر ایمان لانے کے بعد بھی کفر کا مرتکب ہوگا۔اے انسانوں غور کرو عقل سے کام لو۔عقل کو پیمانہ نہ بناؤ۔عقل کے ذریعے وحی کے پیمانے کو استعمال کرو۔ہمارے ہاں یہی غلطی ہو رہی ہے کہ وحی کے مقابلے میں عقل کو پیمانہ بنا لیا گیا ہے۔روایت قبول کرنے والوں نے اپنے بزرگوں کو اپنے سے زیادہ عقل والا مان لیا اور عقل پرستوں میں سے ہر ایک نے اپنی عقل کو پیمانہ بنا لیا ہے۔جو آیت اُس کے مفادات کے خلاف ہوتی ہے اُس کا اپنی عقل سے کوئی من چاہا مفہوم لے لیا اور اُس پر ڈٹ گیا۔لہٰذا روایت پرست اور عقل پرست قرآن فہمی میں ایک ہی نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ عقل کی اتباع کرتے ہیں۔جب کہ قرآن نظریہ وحی کی اتباع کا حکم دیتا ہے۔لہٰذا عقل وحی کے پیمانے کے بغیر امامت کا حق نہیں رکھتی اور نہ یہ امامت کے منصبِ حقیقی پر فائز ہے۔وحی کے بغیر عقل کفر کی امامت پر فائز ہے۔فسق وفجور کے سوا اس سے کوئی اُمید نہیں ہو سکتی۔ **اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ**

اَلصِّیَامُ :زیر بحث موضوع الصیام ہے جسے قرآن سے ڈائریکٹ سمجھنا ہر عقلمند انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مالک سے رابطہ کر کے اس کی منشاء کو سمجھے اگر روایتی الصیام کی تصدیق قرآن سے ہوتی ہے تو ہمارا مزاج قطعاً یہ نہیں ہے کہ ہم قرآن کا کوئی حکم اس لئے بدلنے کی کوشش کریں کہ یہ روایت میں ہے یا روایتی لوگ کرتے ہیں کیونکہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کتاب کا کچھ حصہ تو موجود ہے جب ان کو مکمل کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تو انکار کر دیتے ہیں 3/23 لہٰذا "الصیام" کے بارے ہمارا ایمان وعمل خالصتاً قرآنی ہے اس کی تمام جزئیات قرآن سے ثابت ہیں لہٰذا اس کا انکار روایت سے تعصب کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا جو کہ حقیقتِ صوم کے پمفلٹ کے ہر صفحے پر نمایاں نظر آتا ہے۔اس لئے ہم نے تمام غیر ضروری متعصّبانہ روایتی عبارت کو نظرانداز کر کے قرآن سے متعلقہ الفاظ وآیات کو بحث کے لئے منتخب کیا ہے جن کا موصوف نے غلط انداز سے مفہوم پیش کر کے اپنی خواہش منوانے کی کوشش کی ہے اور عربی زبان سے ناواقف عوام کو قرآن سے دور کرنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔کیونکہ کم ازکم عربی جاننے والے لغت وگرائمر سے واقفیت رکھنے والے شخص کو تو قطعاً ایسا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیے تھا کہ کوئی عربی کی الف ب جاننے والا بھی اس تحریر سے اندازہ لگا لے کہ ڈاکٹر صاحب کو تو بنیادی عربی کے اصول سے بھی آگاہی نہیں ہے۔ دوسری بات سازش لگتی ہے کہ لسانِ عربی کی مہارت کے باوجود محترم نے جان بوجھ کر لوگوں کو قرآن سے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔بہر حال ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دلائل سے محترم کی غلط فہمی کا ازالہ کریں۔موصوف کی تحریر" حقیقتِ صوم" کا تجزیہ کرتے ہیں اس کے بعد الصیام کے بارے قرآنی موقف بھی پیش کریں گے۔

1۔عنوان پمفلٹ۔موصوف نے عنوانِ پمفلٹ الصیام کی بجائے صوم رکھا ہے۔موصوف عربی اوزان سے ہی ناواقفیت کا شکار نہیں ہوئے بلکہ اصطلاحِ قرآنی بدلنے کا جرم کیا ہے اور قرآن کو اپنی خواہشات کے تابع کر دیا ہے۔صفحہ نمبر 5 پر موصوف نے خود ہی مثالیں دی ہیں صام الماءُ, صام الریحُ, صام عن الطعامِ جس کے معنی رکنے کے ہیں، روکنے کی مثال نہیں دی اور صفحہ نمبر 27 پر فلیصمہ' کا ترجمہ اس سے رکے/اِس کو روکے کر دیا ہے۔جس سے مصنف کے تعصب اور کم علمی کا ثبوت ملتا ہے۔مصنف خود غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں اور علم والے اس بے اصولی کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔فعل لازم کو متعدی بنانا علم کو جہالت کے تابع کرنے والی بات ہے۔آخر کوئی مثال تو ہوتی جس سے مصنف کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ الصیام کا معنی روکنا بھی ہے۔لازم کو متعدی بنانا۔ الصیام اور صوم اوزانی اصول کو پسِ پشت ڈال کر بغیر کسی قرینے کے ایک ہی معنی دینا ۔شیر اور بکری کو ایک کرنے کے مترادف ہے کہ دونوں کی ٹانگیں چار ہوتی ہیں لہٰذا جب چاہا بکری کو شیر بنا دیا اور جب چاہا شیر کو بکری بنا دیا کیونکہ بنیاد چار ٹانگیں ہیں یہ بے اصولی ہے۔شیر اور بکری کا کھیل پورے کتابچے میں اظہر من الشّمس ہے۔علم اور علم والوں کیلئے یہ کھیل نا قابل قبول ہے۔ملاحظہ فرمایئے الصیام اور صوم میں اتنا ہی فرق ہے جتنا القیام اور قوم میں فرق ہوتا ہے۔صوماً القرآن میں صرف 19/26 آیت میں اسمِ مفعول ہے اور اللہ نے صوماً ،الصیام کے معنوں میں استعمال نہیں کیا۔الصیام اور صوماً کے فرق کو سمجھنے کیلئے مصنف کم ازکم القیام اور قوماً کے قرآنی اوزان پر ہی غور کر لیتے۔ القیام کے معنی قیام کرنا فعلِ لازم ہے

قیام کرانا نہیں اور قوماً کامعنی قیام کرنے والا فرد،قوم کسی علاقے میں قیام کرنے کی وجہ قوم کہلاتی ہے۔اس طرح صوماً ،الصیام کامعنی رکنا فعل لازم ہے روکنا نہیں اور صوماً کامعنی رکا ہوا یا رکنے والا فرد ۔کہیں بھی قرآن میں قوماً کا لفظ القیام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اگر ایسا نہیں ہے تو مصنف کو اپنی غلطی پر غور کرنا چاہیے مگر مصنف نے تو خواہش کی اتباع میں قرآن کے تقریباً 383 مقامات نظر انداز کئے ہیں۔جہاں قوم ،القوم،قومه، قومنا، قومي، قومهم اور قومکماآیا ہے۔کہیں بھی قوم کا لفظ القیام کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا ہے۔محسوس ہوتا ہے موصوف کو اپنا موقف ثابت کرنے کیلئے غور وفکر اور علمی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔قیاماً 5 بار آیا ہے 3/101, 4/5, 4/102, 5/97, 25/64 القیام 2 بار آیا ہے 39/68, 51/45۔قیام اور قوم، صیام اور صوم کے اوزان ایک جیسے ہیں اسلئے بطور مثال قرآن سے قیام اور قوم کی مثال پیش کی ہے کہ ایک مادے کے باوجود معنی یہاں مختلف ہیں انہیں ہم معنی سمجھنا شیر اور بکری کو ایک کرنے والی بات ہے۔تحریر میں اتنی دھاندلی اور حقیقت سے چشم پوشی سوائے مخالفتِ قرآن کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ایسے لوگ چند درست باتیں کر کے صرف صیام ہی نہیں بلکہ اللہ، آخرت اور ٹوٹل انکارِ قرآن کیلئے تیار کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں ہے۔لہٰذا اے قرآن کی اتباع کرنے والو! ہوشیار باش اپنی علمی استطاعت بڑھاؤ تاکہ تمہیں کوئی بھی اللہ کا عبد بننے سے نہ روک سکے۔قوم اور قیام کی مثال سے ثابت ہو تا ہے کہ صوم اور صیام بھی ہم معنی نہیں ہے۔اگرچہ ان کا مادہ ایک ہی ہے۔

2۔حرف لَعَلَّ: لَعَلَّ ماہرین گرائمر کی رو سے حرفِ رجا وامکان ہے۔موصوف اگر ماہر گرائمر نہ ہوتے تو ان کی غلطی درگزر کرتے مگر موصوف جانتے بوجھتے حرفِ ''امکان'' کو ''یقینی'' معنی کا مفہوم دے رہے ہیں۔لَعَلَّ کا ترجمہ کرتے وقت ڈاکٹر صاحب ''تاکہ'' کا ترجمہ کرتے ہیں موصوف خود بھی 'یقیناً' کا ترجمہ کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں اُنہیں معلوم ہے کہ لعلّ کا ترجمہ ''یقیناً'' ہرگز نہیں کیا جا سکتا اگر ترجمہ ''یقیناً'' کرتے تو موصوف کا موقف غلط ہونے کے باوجود خود تو مشکوک حالت میں نہ ہوتے۔ ''تاکہ'' کا ترجمہ تو مقصدِ الصیام کی طرف رہنمائی ہے کہ یہ تقویٰ کی سیڑھی کا زینہ ہے مکمل تقویٰ نہیں ہے لہٰذا ہر حکم کی نافرمانی سے بچو۔لَعَلَّ کے 129 مقامات ہیں۔قرآن میں کہیں بھی اس کا معنی ''یقیناً'' نہیں ہے۔اس کے معنی ''تاکہ اور شاید'' ہی کے کیے جاتے ہیں۔لہٰذا لَعَلَّ کے حرفِ رجا وامکان کے قانون کو اپنی مطلب براری کے لئے قبول نہ کرنا اور کہنا کہ لوگ صیام رکھتے ہیں متقی نہیں بنتے زیادتی ہے۔جبکہ یہ حکم سیڑھی کا ایک زینہ ہے اور حکم کی نافرمانی خواہش پرستی ہے.لَعَلَّ کا زور فاعل یعنی اسم پر ہوتا ہے فعل پر نہیں ہے۔اس لئے فاعل میں نافرمانی اور فرمانبرداری دونوں کا امکان ہے۔جیسا کہ 20/44 آیت میں اللہ نے موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا کہ فرعون سے بااصول بات کرنا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى شاید یا تاکہ دونوں معنوں میں امکان ہے وہ نصیحت حاصل کرے اور آخرت کی جوابدہی سے ڈر جائے۔یہ اللہ کا بیان ہے اور لَعَلَّ برائے امکان بڑا واضح ہے یہ وہاں ہی استعمال ہوتا ہے جہاں دو امکان موجود ہوں کیونکہ انسان با اختیار ہے 2/21 آیت میں اللہ نے عبد بننے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ سب انسان متقی بن جائیں لیکن سب متقی بنتے نہیں اس لئے لَعَلَّ کا استعمال امکانی ہے کہ جو متقی بننا چاہے گا وہ ہی عبد بنے گا۔جو متقی بننا نہیں چاہتا وہ عبد نہیں بنے گا۔لہٰذا لَعَلَّ کا اثر اور زور کُمْ اسم پر

ہے۔ کُم کیونکہ با اختیار ہے دونوں امکان متقی بننے اور نہ بننے کے ہیں لہٰذا متقی بننا چاہے گا تو عبد بنے گا۔ متقی بننا نہیں چاہے گا تو عبد نہیں بنے گا۔ کیونکہ فرعون نے نصیحت حاصل نہیں کی اور امکان نصیحت حاصل کرنے کا بھی تھا اس لئے یہاں بھی لَعَلَّهُ حرف امکان موجود ہے۔ یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ رسولوں نے دعوت نہیں دی اور نہ اللہ کی بات پر کوئی حرف آتا ہے کہ اللہ نے تو کہا تھا کہ دونوں جاؤ دعوت دو تا کہ وہ ایمان لے آئے لَعَلَّہ کی وجہ سے یہ بھی امکان تھا کہ ایمان نہ لائے۔ اللہ نے لَعَلَّهُ حرفِ امکان کی وجہ سے ایمان لانے اور نہ لانے کا اختیار فرعون کو دے دیا ہے۔

3۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ : صفحہ نمبر 22 پر اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کی سرخی کے تحت لکھتے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب غلط روش پر چلنے والوں کو سزا دی جاتی ہے (یہ مفہوم موصوف نے کہاں سے لیا ہے)۔ آگے لکھتے ہیں استعداد حاصل کرنے کے ایّام یعنی الصیام وہ ایام ہیں جب کفّار کو ان کے کئے کی سزا ملتی ہے۔ جس کا مطلب ہے اگر کوئی مومن کسی وجہ سے غلطی کرتا ہے تو اسے اس کے ازالہ کیلئے کوئی استعداد حاصل کرنی ہے جس کی اسے تیاری کرنی ہے۔ مذکورہ جملوں پر غور کریں کہ مصنف اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے بارے میں سمجھا رہے ہیں (۱) غلط روش پر چلنے والوں کی سزا کا دور ہے جس میں کفار کو سزا دی جاتی ہے۔ (۲) جو استعداد حاصل کرنے کا دور ہے مومن کے لیے جس سے غلطی ہو گئی ہے۔ (۳) صفحہ 33 میں الصیام وہ دور ہے جس میں برائی سے روکا جائے اور بھلائی کی ترویج ہو۔ (۴) صوم کو پروگرام قرار دے کر اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کو مدت سے خارج کیا گیا ہے۔ موصوف مذکورہ سرخی باندھ کر اس کا ترجمہ کیے بغیر ہی کہتے ہیں یہ اصطلاح قرآن میں چار جگہ آئی ہے۔ مذکورہ جملے اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کا مفہوم پیش کر رہے ہیں ایسی تفہیم کوئی اندھا بہرا ہی قبول کرسکتا ہے کیونکہ دوسرے اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے مقام 2/80, 3/24, 2/203 ہیں وہاں سے اس کی تصریف کریں تو یہ مفہوم نہیں بنتا کیونکہ ہر جگہ گنتی کے ایام ہیں وہاں سیاق وسباق کے اعتبار سے یہ گنتی کے دن اپنا ایک مفہوم رکھتے ہیں۔ اسکے بعد 2/184 فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ البتہ جو تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے ایام میں استعداد حاصل کر لے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ مرض کی کیفیت جسمانی نہیں اور سفر زمینی سفر نہیں ہے۔ مخصوص ایام میں جو استعداد حاصل کرنے کا دور ہے اسے چھوڑ کر دوسرے ایام میں استعداد حاصل کرے۔ موصوف کیونکہ حجرے میں بیٹھ کر یہ تحریر لکھتے رہے ہیں یا اندھے بہرے لوگ ہیں جنہوں نے سوال نہیں کیا کہ جب مرض جسمانی نہیں سفر زمینی نہیں تو استعداد حاصل کرنے کے دور میں غیر حاضری کی وجہ کیا ہے؟ نمبر۲ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اور دوسرے ایام میں فرق کیا ہے؟ جس کی موصوف نے وضاحت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ قابل غور بات ہے موصوف اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰت صفحہ 33 پر برائی سے روکنے اور بھلائی کی ترویج کا دور قرار دیتے ہیں۔ اگلی آیت میں ہے کہ جو تم میں سے مریض ہے یا سفر پر ہے وہ اس حالت میں برائی سے نہ روکے اور بھلائی کی کوئی بات تک نہ کرے پھر دوسرے دور میں بھی اس کی تیاری ہے روکنے یا رکنے کا موصوف نے موصوف نے عندیہ نہیں دیا۔ پہلا اور دوسرا دور موصوف نے واضح نہیں کیا جس سے اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کی جو ترجمانی

موصوف نے کی ہے مشکوک ہے درست نہیں۔آیت مذکورہ میں مِنۡکُمۡ میں کُمۡ کی ضمیر کا مرجع مومنین ہیں کہ یہ حکم الصیام صرف مومنوں پر لاگو تھا جو مومنین مریض یا سفر پر ہوں دوسرے دنوں میں الصیام کی قضا کریں اور کافر آؤٹ آف سلیبس ہیں اور موصوف نے مومنین کا ذکر تک نہیں کیا۔قرآن کو جب اپنی خواہشات کے تابع کریں گے تو قرآن فہمی میں اسی طرح کا تضاد پیدا ہوگا۔قرآن ایسے لوگوں کو قرآنی دائرے سے باہر نکال دیتا ہے کیونکہ قرآن خواہشاتِ انسان کے تابع نہیں لہٰذا انسان کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔کیا علمی اور نظری طور پر کمزور لوگ کافروں کو سزا دے سکتے ہیں یا اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا اٹھا سکتے ہیں؟اب اس آیت کا نفاذ کیا ہے؟اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا کن لوگوں نے اٹھایا ہوا ہے کوئی نشاندہی نہیں اور نہ ہی اس کی تنفیذ کا مکانی اور زمانی حوالہ دیا ہے تاکہ جن لوگوں نے اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا اٹھایا ہے ان سے کوئی فیض حاصل کیا جائے صفحہ 11 پر لکھتے ہیں'' عَدَّ '' کے ایک معنی عَدَدَ یعنی گنتی کے ہیں اور **اعد لھم** ان کے لئے تیاری رکھو یعنی تیار رہنے کے بھی ہوتے ہیں اسی مادہ سے لفظ استعداد بھی ہے۔موصوف نے پھر شیر اور بکری کو چار ٹانگوں کی بنیاد پر ایک کرنے کی کوشش کی ہے اور اگر ان تینوں لفظوں کی تصریفِ لفظ کر لیتے تو کبھی بے علمی کا مظاہرہ نہ کرتے۔لفظی تصریف ملاحظہ فرمائیے۔

ماضی	مضارع	فاعل	مفعول	ماضی	مضارع	فاعل	مفعول	ماضی	مضارع	فاعل	مفعول
عَدَّ	يَعِدُّ	عَاد''	مَعْدُوْد''	اَعَدَّ	يُعِدُّ	مُعِدُّ	مُعَدُّ	اِسْتَعَدَّ	يَسْتَعِدُّ	مُسْتَعِدّ''	مُسْتَعَدّ''

تصریف لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں کے فاعل اور مفعول کی بناوٹ الگ ہے لہٰذا '' مَعْدُوْد'''' کا ماضی عَدَّ کا معنی گنتا ثلاثی مجرد سے ہے اور قرآن میں تیاری کے معنی اَعَدَّ سے لئے گئے ہیں جو بابِ افعال سے ہے اور قرآن میں ثلاثی مجرد عدَّ سے کہیں بھی تیاری کا معنی نہیں کیا گیا لہٰذا عَاد'' گننے والا فاعل اور مَعْدُوْد'' جسے گنا جائے مفعول ہے۔لہٰذا قرآن کے طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے علمی ذخیرہ میں اضافہ کرے تاکہ وہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان کر سکے۔لفظی تصریف سے معنوی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے لہٰذا موصوف نے جان بوجھ کر اسے ملحوظ خاطر نہیں رکھا اپنی خواہش منوانے کی کوشش کی ہے۔

تحریر میں علمی سقم ہے جو علم والوں کیلئے ناقابل قبول ہے مَعْدُوْد'' کا لفظ قرآن میں تیاری کے معنوں میں کہیں بھی نہیں آیا یہ زبردستی ہے۔گذارش ہے کہ من چاہی تاویلات سے اپنے درست نظریات کو بھی مشکوک نہ بنائیں آپ کیلئے خیر خواہانہ جذبہ رکھتے ہیں۔یہ تنقید برائے اصلاح ہے برائے مخالفت نہیں۔صفحہ نمبر 22 پر لکھتے ہی کہ عِدَّۃ'' کا مادہ عَدَّ ہے جس کے معنی تعداد کے بھی ہیں اور تیاری کے بھی ہیں پھر شیر اور بکری کا کھیل کھیل رہے ہیں اور بے علم لوگوں کو یہ بتا کر دھوکہ دے رہے ہیں کہ اوپر سے تیاری کی بات ہو رہی ہے۔حالانکہ نمبر 1 پر الصیام کا حکم ہے نمبر 2 پر۔اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ اور نمبر 3 پر عِدَّۃ'' ہے۔اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ جسے مصنف تیاری کے دن کہہ رہے ہیں مغالطے کا شکار ہو رہے ہیں لفظی تصریف سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ عاد' فاعل اور مَعْدُوْد'' مفعول ہے جس کا معنی تیاری کے ہو ہی نہیں سکتا۔حیرت کی بات ہے کہ موصوف دوسرے دنوں کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر پہلے دنوں کی نشاندہی نہ کر کے قرآنی تشریحات کے منکر ہو رہے ہیں جس کی گنتی الصیام کر کے پوری کرنی ہے۔لہٰذا موصوف کی تحریر کو پورے انہماک اور غور وفکر سے پڑھ

کر اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ جان بوجھ کر خلافِ قرآن حرکتیں کر رہے ہیں ورنہ عربی، صرف ونحو اور گرائمر کا ماہر شخص ایسے مبنی بر بے اصول کتابچے کو شائع نہیں کرسکتا جس میں اسے الصیام اور صوم'' کا فرق معلوم نہ ہو۔ مَّعْدُوْدٰتٍ کی لفظی تصریف سے بالاتر ہو کر عد اور عدۃ'' کے معنی تیاری کے کر دے اور پھر اس غلط بات پر ڈٹ جائے اور موصوف کی تحریر سے اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کا کوئی دو ٹوک موقف ہی سامنے نہ آئے۔ **ھذا شیء'' عجیب**

نوٹ۔ فعل اور مصدر کا مادہ ایک ہوتا ہے۔ ابواب کے لحاظ سے اس کی فیملی ایک ہوتی ہے۔ یہ مفعول مطلق کی مثال ہے **لَاَعَدُّوْ لَهٗ عُدَّةً 9/46** یہ مفعول مطلق کی مثال ہے کہ وہ تیاری کرتے جیسا کہ تیاری کرنے کا حق ہوتا ہے۔ عُدَّةً مفعولِ مطلق اَعَدُّوْ ہی کا مصدر ہے۔ ثلاثی مجرد عَدَّ کا مصدر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک ہی فیملی سے ہونا لازم ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ پہلے فعل اَعَدُّوْ ہے اور مصدر مفعولِ مطلق گننے کی فیملی سے ہوگا بلکہ وہ بھی تیاری کے معنوں میں اَعَدُّو ہی کی فیملی سے ہے۔ لہٰذا مَّعْدُوْدٰتٍ کی فیملی اور لفظی تصریف سے اظہر من الشّمس ہے کہ مَّعْدُوْدٰتٍ کے معنی شمار کرنے، گننے کیلئے جائیں گے۔ اس لفظ کا تیاری کا معنی لینے والے بکری کو شیر اور شیر کو بکری سمجھنے میں مغالطہ کھا رہے ہیں وہ صرف چار ٹانگیں دیکھ کر فیصلہ کر رہے ہیں۔ باقی خصوصیات نہیں دیکھ رہے اور چار ٹانگیں ہی ان کی خواہشات کیلئے باعث تسکین ہیں لہٰذا وہ ڈٹ گئے ہیں جس کی وجہ سے شیر اور بکری کا فرق نہیں سمجھ رہے۔ معمولی سا غور وفکر فرق واضح کر دیتا ہے لیکن جہاں **بغیاً بینھم** ہو وہاں حق و باطل میں امتیاز ختم اور **حزب م بما لدیھم فرحون** کا سماں دکھائی دیتا ہے۔

4۔ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ :صفحہ نمبر 23 پر مصنف نے مریض کے معنی جسمانی مرض اور سفر سے مراد زمینی سفر نہیں لیا لہٰذا قابل غور نقطہ یہ ہے کہ قرآن میں ذہنی مرض جہاں بھی ہے وہاں فی قلوب کا ساتھ ذکر ہے جبکہ علمی سفر ابن السبیل یا فی سبیل اللہ کے ساتھ مذکور ہے۔ جہاں تنہا مرض ہے وہاں جسمانی مرض مراد ہے۔ جہاں تنہا سفر ہے وہاں زمینی سفر مراد ہے۔ موصوف نے یہاں بھی قرآنی تشریح کو بالائے طاق رکھتے ہوئے من مانی تشریح کا سہارا لیا ہے۔ قارئین کے مطالعہ کیلئے قرآن کا حوالہ جسمانی مرض کیلئے **لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى 9/91** ملاحظہ فرمایئے مرضٰی مریض کی جمع ہے۔ سفر کیلئے **سَفَرًا قَاصِدًا 9/42** ملاحظہ فرمایئے یہاں زمینی سفر مراد ہے اس کے علاوہ اور بھی حوالے ہیں لیکن عقل و بصیرت والوں کے لئے یہی کافی ہے۔ جب موصوف مرض اور سفر کی حالت میں ان کو ٹریننگ یعنی۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے دنوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں استعداد حاصل کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ موصوف بالکل غیر معقول بات کر رہے ہیں اور انہیں معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ مریض اور مسافرت کی حالت استعداد حاصل کرنے کی حالت نہیں ہے کیونکہ اس حالت کی وجہ سے تو استعداد حاصل کرنے کے دور میں انہیں شامل نہیں کیا گیا لہٰذا اب جب کوئی مریض نہ ہو مسافر نہ ہو تو دوسرے

دنوں میں استعداد حاصل کریں موصوف کی تحریر سے یہی بات ثابت ہو رہی ہے۔حالانکہ یہ واضح ہے کہ وہ کہنا کچھ اور چاہتے ہیں مگر خواہش پر مبنی تشریح کرو گے تو یہی حال ہو گا۔ظاہر ہے مریض اور مسافر کے لیے استعداد حاصل کرنے کے دور میں تو ان کی تربیت ہونی تھی جس کا موصوف کی تحریر میں تربیت کا کوئی ذکر نہیں ۔ دوسرے دنوں میں استعداد حاصل کرنے کی وجوہات کیا ہیں جب کہ وہ جسمانی مریض بھی نہیں اور زمینی سفر پر بھی نہیں تو غیر حاضری کی وجہ کیا ہے؟ مصنف خاموش ہے۔گویا کہ تیاری کے دنوں میں ماہرین علم کو استعداد حاصل کرنے کیلئے کہا جا رہا ہے۔اس طرح قرآن کو مجہولیت کا شکار کر دیا ہے۔مصنف دوسرے دنوں کا تصور دے کر۔اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ خاص مقررہ دنوں کا قائل بھی ثابت ہوتا ہے۔موصوف بوکھلاہٹ پن کا شکار ہے انہیں یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، اپنے موقف کی تردید یا تائید یا کچھ بھی نہیں کر رہے۔اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ہی مار رہے ہیں۔انہیں اللہ کے سامنے جوابدہی کا کوئی خوف نہیں ہے یا وہ اللہ کو مانتے نہیں۔

5۔ 2/177 متقی کون ہوتا ہے (صفحہ 7): موصوف آیت کا ترجمہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ سوچیں کیا بھوک پیاس کا روزہ یہ اوصاف کسی انسان میں پیدا کر سکتا ہے حالانکہ بھوک اور پیاس مٹانے کیلئے لوگ بڑے بڑے جرائم کر رہے ہیں۔ڈاکٹر صاحب یہ بات اس لیے کر رہے ہیں کہ اس آیت میں الصیام کا لفظ نہیں حالانکہ آیت نمبر 2/177 القصاص، الوصیہ، القتال، نکاح وطلاق، والدین پر احسان اور بہت سے احکامات سے خاموش ہے۔موصوف مذکورہ احکام کے اوپر عمل کیے بغیر اس آیت سے تقویٰ کی تکمیل کیسے ثابت کرتے ہیں؟ صرف اس آیت پر عمل کرنے سے حقیقی متقی بن جاتا ہے تو باقی قرآن تو فالتو بوجھ ہے لیکن مصنف خود ہی صفحہ نمبر 7 پر اپنے موقف کی تردید کرتے ہیں کہ یہاں آیت نمبر 177 میں حقیقی تقویٰ کے چند اوصاف بیان کیے گئے ہیں گویا کہ تقویٰ کے اس کے علاوہ بھی اوصاف ہیں تو الصیام کا حکم اس آیت میں نہیں تو موصوف کو حیرانی کیوں ہے باقی احکام کے بارے بھی تحریر و تقریر منظر عام پر آنی چاہیے۔القصاص، الوصیہ کے بارے مصنف خاموش ہے تو الصیام کے بارے من چاہی تاویل چہ معنی دارد پھر مصنف صفحہ نمبر 21 پر اٰمَنَ کا معنی امن مہیا کرنے والا کر رہے ہیں۔2/177 آیت میں مَن اٰمَن کا یہی ترجمہ کر رہے ہیں۔موصوف نے پھر شیر اور بکری کا کھیل کھیلا ہے۔اَمِنَ ، يَـاْمَن ُ، امِنٌ، مَـاْمُوْن''، اَمْناً یہ تصریف ہے امن کی۔دوسرا لفظ اٰمَنَ، يُوءْ مِن ُ، مُوءْ مِنٌ ، مُوءْ مَنٌ، اِيْمَا نٌ' اس کا معنی ایمان لانے اور ماننے کے ہیں۔جذبہ خیر خواہی اور اصلاحِ دوستان مجبوری ہے کہ شاید گلستان میں بہار آجائے فی الحال تو ہر طرف خزاں ہی خزاں ہے کوئی جھونکا بہار کا نہیں۔پس پیوستہ رہ شجرہ الطیبة القرآن سے اور امید بہار رکھ۔موصوف صفحہ نمبر 21 پر لکھتے ہیں کہ تقویٰ کے مقاصد بھوک اور پیاس سے حاصل نہیں کیے جا سکتے۔اس سے انسان جھگڑالو اور چڑچڑا مزاج ہو جاتا ہے اور بدنظمی کا شکار ہو جاتا ہے پھر اسی صفحے پر لکھتے ہیں کہ اگر راستے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے تو ڈٹ

کر مقابلہ کرنا ہی اصل تقویٰ ہے۔دوسری طرف موصوف بھوک پیاس کو مشکلات کا حصہ ماننے کو تیار نہیں جبکہ حقیقت یہی ہے کہ بھوک پیاس میں بھی بدنظمی کا شکار نہ ہونا تقویٰ ہے۔اب مصنف سے اگر کوئی سوال کرے کہ میدان جنگ میں ڈٹ کر مقابلہ کرنے میں بھوک پیاس برداشت کرنی پڑے اور بیویوں سے الگ رہنا پڑے تو کیا یہ تقویٰ سے خارج ہے؟ اگر تقویٰ سے خارج ہے تو مجاہدین کھانے پینے اور بیویاں مہیا کرنے کا مطالبہ کریں ان کا اس کے بغیر جہاد سے انکار اورمقابلے سے انکار کرنا تقویٰ کہلا سکتا ہے یا پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ دشمن کے مقابلے میں ان چیزوں کا واسطہ ہی نہیں پڑتا۔اگر بھوک پیاس کا واسطہ میدان جنگ میں پڑتا ہے تو موصوف اسے تقویٰ سے خارج کر کے شدید غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔آیت نمبر 2/154 میں جُـوعٍ کو باقاعدہ ٹیسٹ میں شامل کیا گیا ہے۔ 2/249 آیت میں طالوت اور جالوت کے واقعہ میں پیاس کے باوجود پانی نہ پینے کا ٹیسٹ ہے۔لگتا ہے موصوف 2/177 کے مفہوم سے ناواقف ہیں تقویٰ انتہائی تکلیف دہ حالت میں بھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہ کرنے کا نام ہے۔بھوک اور پیاس بھی تکلیف دہ حالت ہے جس کو محترم نے تقویٰ سے خارج کر کے اسے کوئی مسئلہ ہی قرار نہیں دیا جبکہ پوری دنیا کیلئے بھوک اور پیاس دور کرنا مسئلہ بن گیا ہے۔انسانوں کا خون کر کے قومیں اپنی بھوک اور پیاس مٹانے پر تُلی ہوئی ہے۔

6۔وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ صفحہ نمبر 23 پر موصوف ترجمہ کرتے ہیں کہ اور ان لوگوں پر جو صیام کی طاقت رکھیں ان کیلئے مسکین کا طعام فدیہ ہے یہ کس بات کا فدیہ ہے اس شخص سے کوئی نہ کوئی کوتاہی ہوئی ہے جس کیلئے فدیہ دینا پڑتا ہے۔(کونسی کوتاہی جسے موصوف نے بیان نہیں کیا)(1) موصوف الصیام کی طاقت رکھنے سے مراد وہ لوگ لیتے ہیں جو نظریاتی اور علمی کمزوریوں سے مبرّا ہوں۔ اب موصوف کی نظر میں جو لوگ صیام کی طاقت رکھتے ہیں وہ کون لوگ ہیں جن پر مسکین کے طعام کا فدیہ فرض ہے اور انہوں نے علمی اور نظریاتی لحاظ سے اپنی ہر کمزوری کو دور کر لیا ہے تاکہ جن میں صیام کی طاقت ہے وہ لوگ مساکین کے طعام کا انتظام کریں۔صفحہ نمبر 23 میں درج ہے مصنف کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے کہ پھر لکھتے ہیں (2) یہ کس بات کا فدیہ ہے اس شخص سے کوئی نہ کوئی کوتاہی ہوئی ہے جس کیلئے فدیہ دینا پڑتا ہے۔اب بتاؤ نمبر 1 اور نمبر 2 میں کون سا موقف درست ہے دونوں موقف ایک دوسرے کی ضد ہیں۔کیونکہ نمبر 2 میں غلطی کا جرمانہ ہے یہ کونسی غلطی ہے اور کتنا جرمانہ ہے مصنف خاموش ہے۔نمبر 1 میں مکمل غلطی سے پاک لوگ طعام مسکین دیں اور الصیام کا عمل دو الگ الگ عملوں کو مصنف نے ایسے گڈ مڈ کیا ہے کہ نہ طعام مسکین رہتا ہے اور نہ ہی الصیام کا عمل باقی رہتا ہے جہاں بات ہی واضح نہ ہو تو تقویٰ کی وہاں گنجائش ڈھونڈنا فعلِ عبث ہے۔ موصوف بڑے طمطراق اور متکبرانہ لہجے میں اعلان کرتے ہیں کہ میں to the point بات کرتا ہوں۔الصیام جو اللہ نے ایک صفحے میں واضح بات کی تھی موصوف نے اسے 65 صفحات پر پھیلا کر غیر واضح اور مبہم کر دیا ہے دوسرا شخص ٹو دی پوائنٹ بات کرنے کا مفہوم کیا سمجھے گا۔ظاہر ہے حق کو چھپانے کیلئے اتنے صفحات تو بہت کم ہیں آپ کو تھوڑی سی اور اجازت کا حق ہے دوسروں کا ایک لفظ بھی بڑھانا محترم کو برداشت نہیں۔ **ھذا شئیُ عجیب.**

7۔شَھْرُ رَمَضَانَ : صفحہ نمبر 27 پر اقتباس ہے شہر رمضان وہ ہے جس کے متعلق قرآن نازل کیا گیا ہے جو انسان کے لئے ھدایت اور الھدیٰ سے بیانات اور فرق کرنے والی ہے پھر کہتے ہیں شہر رمضان مہینہ نہیں ہے شہر رمضان سے وہ حالت مراد ہے جس میں معاشرہ میں کوئی نہ کوئی برائی موجود ہوتی ہے۔**فلیصمه**' سے مراد ہے اس برائی سے رکیں گے/روکیں گے۔ آگے مصنف انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے لکھتے ہیں روکیں گے صاحب اقتذار اور رکیں گے عام افراد۔آگے مریض اور مسافر صاحب اقتذار ہوں یا عام افراد اس برائی کا مشاہدہ تو کریں مگر رکنے اور روکنے کا عمل ساقط ہے کیونکہ وہ تو استعداد حاصل کریں گے۔ صلاحیت کی تکمیل کریں پھر اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا اٹھائیں۔مصنف کا تحریری سقم اتنا زیادہ ہے کہ سادہ سی بات کو الجھا دیا ہے کہ بات پلّے ہی نہیں پڑتی کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔مربوط کلام کو بے ربط کرنے کی کوشش ہے۔

8۔صفحہ نمبر 33 لکھتے ہیں **اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ** جائز قرار دیا گیا ہے تمہارے لئے تمہارے مظلوم افراد پر بدکلامی کی اقدار کی اندھیری راتوں میں (ترجمہ میں آسان لفظوں کو بھی ایسی بے ترتیبی سے استعال کیا گیا ہے کہ بات سمجھ میں نہیں آتی) مصنف کے مذکورہ ترجمہ کو اِن کے پمفلٹ کی روشنی میں چیک کریں۔صفحہ نمبر 22 میں لکھتے ہیں(۱) صیام وہ دور ہے جب غلط روش پر چلنے والوں کو سزا دی جاتی ہے۔(۲) صفحہ نمبر 22 صوم ان عملی اقدام کا نام ہے جس سے معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے۔(۳) صفحہ نمبر 22 پر ہی ہے صیام وہ ایام ہیں جن میں اصلاح معاشرہ کی تیاری کی جاتی ہے۔(۴) صفحہ نمبر 33 پر ہے الصیام وہ دور ہے جس میں برائی کو روکا جائے اور بھلائی کی ترویج ہو۔(۵) صفحہ نمبر 27 صوم مساکین کی حاجت روائی کیلئے ہے۔(۶) صفحہ نمبر 42 ,41 میں صوم کو باقاعدہ ایک پروگرام قرار دیا گیا ہے جس میں کوئی برائی نہ ہوگی اور اب یہاں **لَيْلَةَ الصِّيَامِ** کا ترجمہ اقدار کی اندھیری راتوں میں یعنی یہ دور جہالت کی بات ہے۔موصوف نے الصیام کے بارے کیا موقف اختیار کیا ہے سمجھ ہی نہیں آتا۔کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا غیر جانب دار فرد ساری تحریر پڑھ کر **لَيْلَةَ الصِّيَامِ** کا ترجمہ'' اقدار کی اندھیری راتوں'' میں پڑھ کر ورطہ حیرت میں پڑ جائے گا کہ تحریر میں تو ایک نقطہ محرم سے مجرم بنا دے،دعا سے دغا کا تصور پیدا ہو جائے اور موصوف اپنی تحریر میں متضاد جملے لکھتے جائیں اپنے موقف کی تردید کرتے چلے جائیں اور انہیں احساس ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ سب قرآن کو اپنی خواہش کے تابع کرنے کا نتیجہ ہے۔تحریر ابہام و تضاد کا شکار اور خواہش نفس کا شاہکار ہے۔ ایسی تحریریں بے حقیقت ہوتی ہیں اور ایسے کام صرف وہی کر سکتا ہے جسے اللہ اور آخرت کی جواب دہی کا خوف نہ ہو۔یہی ہوتے ہیں افلاطون زمانے کے جو سیدھی سادی بات کو بنا دیتے ہیں پازند۔سیدھے سادے حکم سے کھینچا تانی کر کے اس کا انکار کرنے کی کوشش ہے۔کوئی قرآن کا طالب علم ایسی خرافات کا شکار نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کا حکم ہے اور یہی حقیقت ہے۔قرآن کو وہ کسی انسان کی خواہش کے تابع نہیں سمجھتے۔مصنف کیلئے اُحِلَّ کا فاعل کون ہے بڑا پریشان کن مسئلہ ہے۔آغازِ مضمون میں جو فاعل کُتِبَ کا ہے وہی فاعل اُحِلَّ کا ہے صرف یہاں خواہشات کی ترجمان عقل سوال اٹھا رہی ہے ورنہ بات

صاف ہے جو کُتِبَ کا فاعل ہے وہی اُحِلَّ کا فاعل ہے۔یہ تحریر خواہش نفس کا مجموعہ ہے۔اس لئے اسے فاعل نظر نہیں آ رہا اور خود ہی اس کا فاعل معاشرے کو قرار دے رہے ہیں۔

9 نِسَآءِ کا ترجمہ۔ مصنف نے نساء کا ترجمہ کمزور افراد کیا ہے جس کا پورے قرآن میں تذکرہ تک نہیں طلوع اسلام اور بلاغ القرآن کی نقالی بلا سوچے سمجھے کی ہے اور موسیٰ کے قصّے میں ابناء کو بطور دلیل پیش کیا ہے جبکہ سورۃ القصص آیت نمبر۹ میں واضح طور پر بچوں کو قتل کرنے کی دلیل ہے کہ فرعون کی بیوی کہہ رہی ہے **لَا تَقْتُلُوْهُ** اسے قتل نہ کرنا اس کے باوجود ایک چیستانی تصور دینا اور خوامخواہ حقیقت کو مجازی رنگ دینا یہ قرآن فہمی کا اصول نہیں ہے کہ آپ مجازی معنی کر کے قرآن میں تضاد پیدا کریں۔مجاز،استعارہ وغیرہ کلام کے تضاد کو ختم کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ جب حقیقی معنی سے کوئی فرق نہ پڑے تو مجاز حقیقت کو رد کرنے کیلئے جائز نہیں۔یہ غیر حقیقی گفتگو ،تقریر ہو یا تحریر اس سے بے علم لوگ تو قائل ہو سکتے ہیں لیکن علم والوں کا یہ مزاج نہیں ہوتا کہ وہ اندھے اور بہرے ہو کر غیر اللہ کی باتوں پر گریں۔

صفحہ **33** پر لکھتے ہیں'' تمہارے معاشرے نے کمزور افراد کے ساتھ بدکلامی اور بدگوئی کو تمہارے لئے جائز قرار دے دیا تھا''مصنف کا مذکورہ جملہ مشاہدات عالم کے خلاف ہے۔دنیا کی تمام ریاستوں کا قانون پڑھ لیں۔ دنیا کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں کا لکھا ہوا منشور پڑھ لیں کہیں بھی کمزوروں کے ساتھ بدگوئی یا ظلم کو جائز قرار نہیں دیا گیا جبکہ دنیا میں ایک ریاست میں بھی قرآن کی تنفیذ نہیں ہے۔اقوام متحدہ کے چارٹرڈ میں ایک شق بھی انسانوں پر ظلم کرنے کی تائید نہیں کرتی۔ظلم کے باوجود ظلم کو معاشرے کی کسی کتاب نے جائز قرار نہیں دیا۔یہ ترجمہ مشاہدات عالم کے خلاف ہے۔ مصنف کو اس ثبوت کے لئے کسی معاشرے کے قانون اور ضابطے کا حوالہ دینا ضروری تھا جو نہیں دیا گیا لہٰذا کسی معاشرے نے بھی بدکلامی اور بدگوئی کو جائز نہیں قرار دیا۔کمزوروں سے بدکلامی اور بدگوئی ان قوانین کے بھی خلاف ہے جو قوانین معاشرے نے خود بنائے ہیں اگرچہ یہ سب کچھ اس معاشرے میں ہو رہا ہے مگر معاشرے نے قانوناً یہ ظلم اور زیادتی کا حق کسی کو نہیں دیا ہوا موصوف کی یہ بھی کوتاہ بینی ہے بہرحال اُحِلَّ لَكُم کا فاعل اگر معاشرے کو قرار دیا جائے تو آیت نمبر **2/187** کی ساری سٹیٹمنٹ معاشرے ہی کی قرار پائے گی معاشرہ ایک ہی وقت میں متضاد باتیں کر رہا ہے۔مصنف کو اپنی تحریر پر ازسر نو غور کرنا چاہیے۔اللہ کی بات کو بدلنے سے انسان خود عقل سے محروم ہو جاتا ہے۔

بَاشِرُوْهُنَّ فعل امر ہے۔بَا شَرَ باب مفاعلہ ہے۔تصریفِ لفظ ملاحظہ فرمائیے۔ماضی بَاشَرَ مضارع يُبَاشِرُ فاعل مُباشِرٌ۔ بَاشَرَ کے معنی خوشخبری دینے کے نہیں ہیں۔قرآن نے یہ لفظ بشارت دینے کیلئے کہیں بھی استعمال نہیں کیا حالانکہ **100** سے زیادہ مقامات بشارت کے ہیں۔مادہ کی بنیاد پر پھر شیر اور بکری کا کھیل کھیلا گیا ہے۔موصوف نے بَاشِرُوْهُنَّ کا معنی '' میل ملاقات اور خوشخبری دو'' کر دیا ہے صفحہ نمبر **35**۔قرآن میں تُبَاشِرُوْهُن اور بَاشِرُوْهُنّ صرف **2/187** میں آیا ہے۔ کہیں بھی اس فیملی کا لفظ خوشخبری کیلئے نہیں آیا۔موصوف نے میل ملاقات کا معنی کر کے مباشرت کا معنی تسلیم کر لیا ہے۔

11۔صفحہ نمبر 34 میں ہے عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ اللہ کوعلم تھا کہ تم اپنے لوگوں سے خیانت کر رہے تھے ۔ان کے خون پسینے کی کمائی اڑا رہے تھے۔فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ پس تم پر مہربان ہوا اور تم کو عافیت میں لے لیا تم سے درگذر کیا۔ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ پس اب تم ان سے میل ملاپ کرو اور وہی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔مصنف کے مذکورہ ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی خیانت پر کوئی سزا نہیں بلکہ مہربانی اورعافیت و درگزری ہوئی ہے اور انہیں اس خیانت کا آگے حق مل گیا ہے ترجمے سے تو خیانت کی Approval ثابت ہوتی ہے۔اب ترجمے کو مزید سمجھانے کیلئے تشریحی لفظوں کا پنڈورا بکس کھول رہے ہیں ڈائریکٹ ترجمے سے خیانت کی تائید جو ہو رہی تھی۔خودساختہ تشریح اپنے ہی ترجمے کے خلاف کر رہے ہیں۔موصوف کی تحریر بڑی عجیب ہے۔

صفحہ نمبر 35 وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ مصنف نے قرآن کی دوسطروں کو پانچ صفحوں میں پھیلا دیا ہے اور کہتے ہیں میں ٹو دی پوائینٹ بات کرتا ہوں۔دو سطروں کو پانچ صفحوں میں بیان کرنا ٹو دی پوائینٹ ہے تو پھر آف دی پوائینٹ کیا ہوتا ہے؟ یہ ساری خودساختہ سٹوری ہے حقیقت کو بناوٹی اصولوں سے چھپانے کی کوشش ہے۔سیدھی سادی بات کی ملمع سازی کی گئی ہے۔بےعلم نادان لوگوں کو مالک کے حکم سے بہکانے کی کوشش ہے کیونکہ یہ آیت الصیام کی تشریح ہے کہ کن کاموں سے اور کب تک رکنا ہے الصیام کہلاتا ہے۔ مباشرت+ کلو+اشربو۔ یہ تین کام ہیں جن سے الفجر سے الی الیل تک رکنا ہے اور رات کو کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہاں باشرو، الرفث کا مترادف ہے۔الیل قرآن میں تقریباً 74 مقامات پر ہے اور رات کے معنوں میں النھار کے مقابلے میں اکثر آتی ہے اور معترف باللام ہے۔مصنف نے اس حقیقت کو چھپانے کیلئے کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد یہ 65 صفحات پر مشتمل کتابچہ شائع کیا ہے اور بڑے ہی غیر معقول انداز میں الصیام کا مفہوم تیار کیا ہے جو حقیقت نہیں بلکہ لوگوں کو حقیقت سے دور رکھنے کی سازش ہے۔یہاں الیل کو معرف باللام کہہ کر عام لیل سے نکال کر جو نہار کی ضد میں کئی بار آیا ہے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔

12۔(صفحہ نمبر 40) وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ لا فِی الْمَسٰجِدِ تم کوئی وعدہ وعید نہ کرنا جب تک کہ تم احکامات الٰہی کے معاملے میں غور و خوض کر رہے ہو۔(اب دنیا میں غور وخوض کا کام ختم کرنے والی کونسی جماعت ہے جو غور وخوض مکمل کر چکی ہے اور وعدے وعید کرے)۔صفحہ نمبر 35 میں باشرو کا معنی میل ملاپ اور خوشخبری دینے کے کئے تھے اور صفحہ 40 پر وعدہ وعید کے کر دیئے ہیں۔یہ مصنف کا ارادہ اور اختیار ہے جہاں جی چاہا جو مرضی معنی کر دیا وہ کسی اصول اور ضابطہ کے پابند نہیں وہ صرف دوسروں کیلئے اصول اور ضابطے بناتے ہیں۔اہلِ علم کے نزدیک بَاشَرَ اور بَشَرَ کے معنی میں فرق ہے۔بَاشَرَ مباشرت کرنے اور بَشَرَ خوشخبری دینے کیلئے آتا ہے۔ یہاں بھی موصوف نے شیر اور بکری کو ایک کرنے کی غیر معقول کوشش کی ہے۔ یہ من مانی بےاصول رائے کا اظہار ہے۔ قرآن میں خوشخبری کیلئے کوئی باشر کی مثال دیں تا کہ ہمارے لئے کوئی غور وفکر کی بنیاد تو فراہم ہو ایسی غیر معقول

بے دلیلی تحریر تو غور طلب نہیں ہوتی جو سراسر ایک واضح قرآنی حکم کے انکار کیلئے لکھی گئی ہو۔ایسی غیراللہ کی تحریروں پر اندھے اور بہرے ہی گرتے ہیں اوراللہ کے واضح حکم کو چھوڑ تے ہیں۔اللہ اورآخرت پر محکم یقین و ایمان رکھنے والے اپنے رب کی آیات کے خلاف لکھی جانے والی کتابوں پر اندھے اور بہرے ہوکرنہیں گرتے کیونکہ اُن کے پاس روشنی دینے والا قرآن موجود ہے۔ایسی تحریروں کو قرآن پر چیک کرنے کے لئے اللہ نے عقل دی ہے۔

بَشَرَ ,یَبْشِرُ , بَاشِرُ‘ , مَبْشُوْرُ‘ یہ خوشخبری کے معنوں میں آتا ہے اور بَـاشَرَ , یُبَاشِرُ , مُباشِرُ‘ , مُباشَرُ‘ ، باشروھن فعل امرہے اور باب مفاعلة سے ہے اور مباشرت معنی ہے۔

13۔تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلاَ تَقْرَبُوْھَا سادہ ترجمہ جو خود موصوف نے کیا ہے''یہ اللہ کی حدود ہیں تم ان کےقریب نہ جانا''(ظاہر ہے ان حدوں کو کراس کرنے کےلئے ان کے قریب نہ جانا، ان حدود کے اندر مقید رہنا مقصد ہے۔ اللہ نے الصیام کے بارے جو واضح حکم دیا ہے اس کو نہ توڑنا اسکی پابندی کرنے کی تاکید ہے۔)مصنف اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''حدود اللہ تو اللہ کےاحکام ہیں اورتلک کا اشارہ قریب ہے'' حالانکہ تـلک مونث اشارہ بعید ہےاور ڈاکٹر صاحب نے اشارہ قریب کونسی لغت وگرائمر کے تحت کیا ہے ذکرنہیں فرمایا۔ مذکورہ بالاتمام الصیام کے بارے و احکام ہیں ان کی بات ہورہی ہے ۔آگے لکھتے ہیں تعلیم یا کسی چیز کے پاس جانے سے دوصورتوں ہی میں روکا جا سکتا ہے۔ موصوف کےاس جملے سے اندازہ لگا سکتے ہیں اللہ نے یہ حکم فَلاَتَقْرَبُوْھَا اس لئے دیا تھا کہ اس تعلیم یا مسجد کے قریب نہ جانا موصوف کی تحریر کسی مطمئن اور پرسکون ذہن والے کی سوچ نہیں لگتی۔ یہ الجھاوٗ کا مجموعہ ہے۔یہ حکم تو حدود میں مقید رہنے کیلئے دیا تھا اس سیدھے سادے مفہوم کو اپنی خواہش کے تابع کرنے کی غیر معقول کوشش،ایسا لگتا ہے کہ مصنف اللہ کے سامنے جوابدہی سے بےخوف ہیں۔ایاک نعبد حقوق انسانی کا علمبردارنہیں بلکہ اللہ کا عبد بننے کا معاہدہ ہے۔جو اللہ کے عبد ہیں وہ اپنے فرائض منصبی کو قائم کرتے ہیں۔قرآن فرائض منصبی کو قائم کرنے والی تنظیم اور جماعت بنانے کاحکم دیتا ہے۔ جب فرائض منصبی ادا کیے جائیں توحقوق انسانی خود بخودادا ہوجاتے ہیں۔فرض منصبی ادا کرنے کے لیے گھر بار، رشتہ دار، ماں باپ،نفسانی خواہش، کاروبار وغیرہ ہرشے داوٗ پرلگانی پڑتی ہے(9/23,24) الصیام خواہشات نفس پر مالک کے حکم پر چند گھنٹے کی پابندی پر اعتراض کرنے والا، مالک کے حق کا غاصب ہے۔ وہ حقوق انسانی کی کیا بات کرے گا؟

صوم بطورسزا

موصوف صفحہ نمبر43سے صوم بطورسزا کی سرخی سے الصیام کے باقی مقامات کے بارے تحریر فرماتے ہیں۔آیت نمبر2/196 صفحہ 44 میں لکھتے ہیں،قیدی یا محصور دشمن ملک میں کس طرح قربانی کا جانور خریدے گا، قید سے کیسے بھاگے گا، رقم کہاں سے آئے گی،کون اس کے لئے قربانی کا جانور خریدے گا اور انتظام کرے گا؟موصوف اپنا موقف پیش کرتے ہیں توقید اورمحصوریت محسوس ہی کرتے پھر قیدی نہیں بلکہ گروہ یا قوم کا تصور پیش کرتے ہیں۔صفحہ نمبر47 میں تحریر کرتے ہیں کہ کرتا دھرتا لوگوں کا پتہ نہ چلے تم اپنے رئیسوں کا حلقہ نہ بناوٗ۔اب خود انصاف

کریں صفحہ نمبر 44 ایک قیدی محصور جانور نہیں خرید سکتا، ھدی نہیں بھیج سکتا وہاں اپنے رئیسوں کا حلقہ بنانے کا تصور ایک معجزانہ تصور ہے۔ جبکہ انہوں نے رئیس کو ویسے ہی کالے پانی بھیجا ہوا ہے جہاں ملاقات ممکن نہیں وہاں حلقے بنانے کا تصوّر چہ معنی دارد۔ الحج کو پھر مادے کی بنیاد پر ایک نیا معنی دے کر اصطلاحِ قرآن کو من چاہی تاویل دے رہے ہیں جو کہ مرکزی انتظامی اجتماعی سالانہ میٹنگ ہے اور عمرہ اس کے علاوہ میٹنگ ہے ایک فرد کی ہو یا زیادہ کی اس کا اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں ہے یہ قرآن کی اصطلاح ہے۔

صفحہ نمبر 47 فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ کا ترجمہ کرتے ہیں جو بھی ہدایات میسر ہوں۔ آگے فرماتے ہیں ہدایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے (جو موصوف اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں) تو جو بھی ہدایات میسر ہوں ان پر عمل کیا جائے۔ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ کا تذکرہ کیے بغیر فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا پر چلے گئے ہیں تحریر نامکمل ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ھدایت دینے والے موجود نہ ہوں تو حلقہ بنانے کا تصور موصوف کہاں سے لے رہے ہیں پھر اسی صفحہ 47 پر لکھتے ہیں رئیس کی طرف سے کسی ایذا میں مبتلا ہوگیا ہے تو وہ تربیت حاصل کرلے یا کوئی ایسا عمل کرے جس سے اس کی مہم کے متعلق دعویٰ سچ ثابت ہو۔ مومنوں میں ایذا دینے والے رئیس کا تصور فرعونی ہے۔ اسلام میں ایذا سے نجات دلانے والے رئیس کا تصور ہے۔ جس محصوریت میں دشمن ملک میں ھدی بھیجنا ناممکن ہے وہاں موصوف نے تربیتی کیمپ کھول دیا اور مہم جوئی کی تحریک چلادی کہ وہ لازماً ایسا عمل کرے جس سے اس کا مہم سے متعلق دعویٰ سچا ثابت ہو۔ ھذا شئی عجیب۔

صفحہ نمبر 48 سے 49 کا غور سے مطالعہ کریں تو محصوریت اور دشمن ملک میں قید کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی قوم اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہی ہے فرماتے ہیں۔ احتجاج کی وجوہات معلوم ہیں پس جس نے بھی ان کے معاملے میں حجت قائم کرنا چاہی تو احتجاج کے معاملے میں کوئی بدگوئی، بدکلامی، احکامات کے خلاف بات اور نہ ہی آپس میں جھگڑا ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے یہ احتجاج دشمن کے خلاف ہو رہا ہے جس نے قید کیا ہوا ہے لیکن موصوف کلام کا سیاق بھول گئے ہیں اور صرف لفظ احتجاج یاد ہے لیکن کس کے خلاف ہے یہ موصوف نہیں بتا رہے کیونکہ یہ قاری کی ذمہ داری ہے کہ وہ سیاقِ کلام سے معلوم کرے کہ یہ احتجاج دشمن ملک کی قید میں ہو رہا ہے جہاں وہ بکرا بھی نہیں خرید سکتا۔

صفحہ 48 پر موصوف نے ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ کے بارے فرمایا کہ یہ حج کے معاملے میں تین ادوار کی تربیت ہے یہاں موصوف نے احتجاج کے معنی کرنے سے گریز کیا ہے اس کی وجوہات کیا ہیں ہم معلوم کرنے سے قاصر ہیں۔ آگے رفث، فسوق اور جدال کے بارے فرماتے ہیں کہ یہ ہیں تین صیام اور تین کمزوریوں سے رکنا۔ پھر موصوف کی تین ادوار کی تربیت سے کیا مراد ہے اور اس سے پہلے جو صیام کی تعریف موصوف نے کی ہے اسے پیش نظر رکھا جائے تو موصوف صیام کے بارے کوئی واضح دو ٹوک تصور یا نظریہ نہیں رکھتے موصوف کہیں ایک موقف پر ٹھہرتے ہی نہیں کبھی کچھ کبھی کچھ جس کی وجہ سے تحریر پڑھنے والا تذبذب کا شکار ہوتا ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ موصوف کا صیام کے بارے تصور کیا ہے بس جو منہ میں آیا بول دیتے ہیں۔ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ کو رفث، فسوق اور جدال کا نام دے دیا ہے۔ موصوف نے پمفلٹ

لکھنے کی ذمہ داری ادا کر دی ہے کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے 65 صفحات لکھ دیئے ہیں۔ بڑا کمال کیا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ کسے خوش کرنے کے لئے لکھا ہے۔ ھٰذا شئیٌ عجیب ۔

لکھتے ہیں ثَلٰثَةِ اَیَّام، رفث ،فسوق ،جدال کیلیئے ہے جن کی اہلیت پابند کرنے والے احکامات پر کاربند رہنے کی نہیں ہے (صفحہ نمبر 48) سوال ہے کہ ان کے ماسوا جو لوگ ہیں کیا یہ حکم ان کیلیئے نہیں ہے۔ کیونکہ موصوف کے نظریے کے مطابق رفث ،فسوق اور جدال کی پابندی مذکورہ افراد کے سوا کسی پر نہیں ہے موصوف کی تحریر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اھلیت نہیں وہ رفث ،فسق اور جدال کریں کوئی حرج نہیں۔ المسجد الحرام کا معنی پابند رہنے والے احکامات کر دیا ہے حاضر کے معنی ہی نہیں کیے گئے۔ اتنی واضح بات کو موصوف نے ایسے بگاڑ دیا ہے کوئی اسے نہیں سمجھ سکتا ہے نہ ہی موصوف کے طریقہ سے پیش کر سکتا ہے بس ایک مصیبت لکھ دی ہے سمجھ آئے نہ آئے ڈاکٹر صاحب زندہ باد کہنے والوں کو اللہ بھول گیا ہے۔ صفحہ 48 پر لکھتے ہیں فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّام موصوف کے نزدیک خوشحالی کی تکمیل ہے۔ یہ ہے کیا اس کے بارے کوئی تفصیل نہیں ہے۔ مبہم اور غیر واضح عمل معاشرے کی خوشحالی کی تکمیل ہے۔ ایسی تحریر آخرت کی جوابدہی سے بے خوف شخص کی جرات ہو سکتی ہے کوئی دوسرا شخص اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

(صفحہ 51,52) 4/92 موصوف نے دو ماہ کے صیام کو تربیتی عمل قرار دیا ہے گویا یہاں بھی موصوف گنتی کے دنوں کے تو قائل ہیں کیونکہ تربیتی عمل کیلیئے عدت یعنی مدت کا ہونا ضروری ہے مگر موصوف نے فَصِیَامُ شَھْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْن کا کوئی ترجمہ نہیں کیا جس سے موصوف بے بس نظر آ رہے ہیں نامکمل بات کر رہے ہیں کیونکہ تربیتی عمل کا کوئی سلیبس وضع کیے بغیر نکل جانا صیام کی روایتی شکل کو ثابت کرتا ہے اور موصوف کے موقف کی نفی ہوتی ہے۔ (صفحہ 53) 5/89 میں قسموں کا کفارہ تین صیام۔ موصوف یہاں بھی اپنا موقف بیان کیے بغیر آگے چل دیے جو بے بسی کا اظہار ہے کتمان حق کے داعی لگتے ہیں۔

(صفحہ 57) 5/95 موصوف نے آیت کا مفہوم پیش کیا ہے کہ عدالت اس بات کا فیصلہ کرے گی جس میں مسکین کی تمام ضروریات سے لے کر صیام یعنی اس کی اصلاح کے لیے تربیتی پروگرام میں شرکت شامل ہے تاکہ وہ آئندہ اس سے باز آئے۔ جب کہ آیت میں ھدیا یا طعام مسکین یا اس کے برابر صیام ہے ھدیا بلغ الکعبه ہے۔ یہ ھدیا کا لفظ اُسی لفظ کے مادے سے ہے جو 2/196 میں ھدی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہاں موصوف نے اسے بالکل نظر انداز کیا ہے۔ نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ تحریر نہیں کی کیونکہ طعام مسکین یا ھدیا دینے سے صیام کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ طعامِ مسکین اور ھدیا نہ ہونے کی صورت میں صیام رکھنا ہے جس کا موصوف انکار کر رہے ہیں جو واضح مئوقف نہیں ہے۔

(صفحہ 61) 58/4 میں زیر بحث موضوع صیام ہے اور موصوف ظہار پر رائے زنی کر رہے ہیں کہ ظہار کا مسئلہ بیوی کو

کو ماں کہنے کا نہیں تھا بلکہ دھونس دھاندلی اور زیادتی کا مسئلہ تھا (اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی) موصوف کو 58/2 آیت کا مفہوم لکھنا چاہیے تھا یہ دیانتداری نہیں ہے۔58/2 آیت کا سیدھا سادھا ترجمہ ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں ہیں یقیناً ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے 33/4 میں بھی اسی قسم کی آیت ہے 57 تا 62 صفحہ تک صیام سے ہٹ کر بات کو طول دیا ہے جو غیر ضروری اور موضوع سے ہٹ کر تھی۔ موصوف نے صفحہ 61 میں تحریرُ رقبة کا معنی ایسی تحریر جس کے ذریعے تمہاری گردن پکڑی جائے۔ 4/92 میں تحریرُ رقبه کے مفہوم سے موصوف نے نظر چرا لی ہے شاید وہاں موصوف کے تربیتی عمل کو زد پہنچتی تھی۔ پھر صفحہ 9 پر تو موصوف کو یطیقونهٗ سے پہلے لائے محذوف پر اعتراض تھا کہ یہ ترجمہ بھوک پیاس کا روزہ ذہن میں رکھ کر کیا گیا ہے تو تحریرُ رقبه کے ترجمہ میں اتنے زیادہ الفاظ ترجمے میں کون سا ذہن رکھ کر شامل کیے گئے ہیں یہ موصوف نے اپنے بارے نہیں بتایا۔ پھر لکھتے ہیں دو حالات کے مطابق اصلاحی تربیت ہوگی اور دو حالات کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ آگے لکھتے ہیں ''تم تربیت کے قابل نہیں ہو تو مساکین کی ضروریات زندگی پوری کر دو'' اور یہاں پھر ستین کا ترجمہ چھوڑ گئے ہیں جو 60 مساکین کا ذکر ہے اور پہلی تحریر میں ہے کہ جو صیام کی طاقت رکھتا ہے وہ طعام مسکین کرے (صفحہ نمبر 23) ھذا شئیٌ عجیب۔ یہ تحریر ہے موصوف کی۔ اللہ کرے کوئی نہ سمجھے کیونکہ نہ تو انہیں سمجھ آئی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا ان کا یہ موقف بیان کرسکتا ہے۔ یہاں پھر طعام مسکین کو تربیت سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

سیدہ مریم سلام'' علیہا کا صوم

یہاں صوم کا معنی روزہ نہیں ہے یہ تو مریمؑ اپنے ہونے والے بچے کو صوماً کہہ رہی ہیں کہ میں یہ رحمان کے لئے وقف کرتی ہوں۔ موصوف اگر صیام اور صوماً کے فرق کو نہیں سمجھتے جو گرائمر کے بغیر قرآن فہمی کے قائل ہی نہیں تو یہاں موصوف کی گرائمر، صرف و نحو کیوں مرگئی ہے جو اوزان کا اصول استعمال نہیں کرتی۔ جب آپ کو صیام اور صوماً میں معنی کا فرق نظر نہیں آتا تو حقیقت کیسے واضح ہوگی۔ جو واضح ہے وہی آپ کے لئے غیر واضح ہے تو ظاہر ہے یہ روشنی اور نور کا قصور نہیں موصوف نے حقیقت سے نظریں چرانے کا ارادہ کر لیا ہے اور آنکھیں بند کر کے اپنے خواب اور اس کی تعبیر ''حقیقتِ صوم'' میں لکھ دی ہے اب موصوف کو اس کی بالکل پرواہ نہیں ہے کہ اس کا تعلق قرآن سے ہے یا نہیں اس تحریر کو کسی اصول اور ضابطے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ موصوف لکھتے چلے جاتے ہیں اور قرآن کو اپنی عقل کے تابع سمجھتے ہیں اور عقل کی حقیقت سے ناواقف نظر آتے ہیں۔ عقل مفاد خویش ہے۔ چوری کا ارادہ کرلو تو عقل چوری کرنے کیلئے بچاؤ کے تمام طریقے بتائے گی کہ رات کو چوری کرو، اسلحہ لے کر جاؤ، بچاؤ کے سارے طریقے بتائے گی لیکن چوری سے منع نہیں کرے گی۔ چوری سے صرف وحی کی تعلیم منع کرے گی۔

اللہ سے ڈرنے والے کو اللہ سے ڈرائے گی کہ بھوکا رہ لے ایک وقت مگر چوری نہ کر۔جو عقل خواہشات کے پیچھے نہیں بلکہ کلام وحی کے تابع ہے وہ قرآن کی اتباع کیلئے مشورے دے گی اللہ کی نافرمانی سے بچائے گی۔لہٰذا اللہ نے تمام احکام اس لئے دیے ہیں کہ تم مالک کی نافرمانی سے بچ جاؤ۔متقین اللہ کی نافرمانی سے بچنے والے ہوتے ہیں۔نفع و نقصان کا کوئی لالچ اور خوف اسے نہیں ہوتا وہ اللہ کا حکم نفع و نقصان سے بالاتر ہوکر مانتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ جو اللہ جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا لہٰذا اللہ کا حکم ماننے ہی میں نفع ہے چاہے حکم ماننے میں موت آجائے وہ حکم کی تعمیل کرتا ہے ۔اس راہ میں بھوک پیاس کی حیثیت کیا ہے وہ تو جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔اگر اللہ کی راہ میں بھوک پیاس آئے اور جان و مال جائے تو کیا قرآن چھوڑ دینا چاہیے یا ثابت قدم رہنا چاہیے ۔مفاد عاجلہ والی عقل، مفاد خویش کا کیا فیصلہ ہے،خود اندازہ لگایئے۔مفاد کی بنیاد پر حکم ماننے والوں کے متعلق خود فیصلہ کریں کہ ان کا کیا مقام ہے؟ اور جو لوگ اپنے مال و جان فی سبیل اللہ لگاتے ہیں ان کا کیا مقام ہے؟

صفحہ نمبر 19 پر الصیام پر اٹھنے والے سوالات کا مختصر جائزہ

سوال نمبر 1: روزہ کسی کو متقی نہیں بناتا۔تقویٰ کی کیفیات جو آیت نمبر 177 میں بیان ہوئی ہیں میں سے ایک بھی روزہ دار میں پیدا نہیں ہوتیں۔ (جواب): آیت نمبر 177 وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ بھوک پیاس اور جنسی میلان تینوں سے ماورا ہوکر یہ جنگ لڑنا پڑتی ہے اور الصیام میں تینوں کاموں سے رکنا پڑتا ہے جو صرف صابرین کا طرّہ امتیاز ہے اور تقوی کی کیفیت ہے۔متقی اللہ کی نافرمانی سے بچنے والے کو کہتے ہیں۔مالک کا حکم ماننے والے کے پیش نظر اپنا نفع و نقصان نہیں ہوتا۔وہ صرف مالک کا عبد ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔مالک کا حکم مانتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے۔جب وہ کہتا ہے کہ حکم ماننے میں تیرا فائدہ ہے۔بس عبد کہلانے کا حق صرف اسی کو ہے جس کو حکم ماننے میں موت نظر آئے تو وہ فرمانبردار بن کر موت کو گلے لگالے۔رشتہ داریاں، دکانداریاں اور دنیاوی مفاد کو اللہ کا حکم ماننے کیلئے قربان کر دے۔تقویٰ حکم کی نافرمانی سے بچنے کا نام ہے۔جس نے الصیام رکھا ہے وہ حکم کی نافرمانی سے بچا ہے۔یہ مکمل تقویٰ نہیں ہے سیڑھی کا زینہ ہے۔کافروں کے پاس بھی کتاب کا کچھ حصہ موجود ہے مکمل تقویٰ کیلئے 100% احکامات کی اتباع کرنی ہوگی۔مکمل تقویٰ قرآنیوں میں نظر نہیں آتا تو پھر قرآن چھوڑ دینا چاہیے؟

سوال نمبر 2: جس کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے وہ مسکین کو کھانا کھلا کر روزے سے بچ سکتا ہے اور مسکین کھانا کھا کر روزے سے بچ جائے گا۔(جواب): موصوف نے تو صیام کا معنی ہی مسکین کو کھانا کھلانا کیا ہے لہٰذا یہ سوال موصوف کے خود ساختہ ترجمہ کی بنیاد پر پیدا ہوا ہے ہمارا نظریہ یہ نہیں ہے کہ کھانا کھلانے سے اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کے فرض صیام بھی معاف ہوجاتے ہیں۔یہ صرف دوسرے دنوں میں مسافر اور مریض کیلئے صیام کا بدل فدیہ طعام مسکین ایک سہولت ہے ورنہ دوسرے دنوں میں بھی صیام طعام مسکین سے بہتر ہے۔

سوال نمبر 3: رمضان کے مہینے میں جو موجود ہو وہ روزے رکھے اور جو مرگیا وہ نہ رکھے ایک مجہول مفہوم ہے۔

جو اللہ کی ذات کو زیبا نہیں۔(جواب): شھد کے معنی موجود ہونے سے بھی قرآن میں مجہولیت ثابت نہیں ہوتی۔36/70 میں لینذر من کان حیاً تاکہ انذار کیا جائے جو زندہ ہو اس میں کونسی مجہولیت ہے۔بہر حال شھد کے معنی شہادت کے بھی ہیں تو ظاہر ہے اس مہینے کی شہادت نزول قرآن کے اعتبار سے ہے جو اس مہینے میں نزول قرآن کی شہادت دیتا ہے اسے اس مہینے کے صیام رکھنے چاہیے۔

سوال نمبر4: روزے سے انسان کی مشکلات دور نہیں ہوتیں۔ (جواب): الصیام تو حکم کی تعمیل ہے لہٰذا حکم کی تعمیل میں حکم ماننے والے کیلئے آسانی نہیں ہوتی مشکل ہی ہوتی ہے لہٰذا مشکل کے بعد ہی آسانی ہے۔یہ طے شدہ بات ہے کہ کھانے کا مزہ بھوکے انسان کو ہی آتا ہے اور طاقت کا سبب بنتا ہے۔فاقہ کئی بیماریوں کی نجات کا سبب ہے ۔ معروف ڈاکٹروں کی رائے آخر پر درج ہے۔پیٹ بھرے کو کھانے کا کیا مزہ آئے گا۔بیماریوں کا سبب بنے گا لیکن یہاں مزے کی بات نہیں ہے حکم کی تعمیل ہے جو تقویٰ کا معیار ہے۔حکم کی تعمیل اللہ کی کبریائی کا ثبوت ہے باقی خواہشات کی تعمیل اور نفس پرستی ہے وہ اللہ کی کبریائی کا ثبوت نہیں ہے۔

سوال نمبر5: روزہ سے معاشرے میں آسانیاں پیدا نہیں ہوتیں۔سوال نمبر6:روزہ سے اللہ کی کبریائی قائم نہیں ہوتی۔

(جواب): سوال نمبر5 اور6 کا جواب بھی نمبر4 ہی ہے نمبر4 سوال کو ہی6-5 میں دہرایا گیا ہے۔

سوال نمبر7:روزہ دار سے کبھی کوئی رب کے متعلق سوال نہیں کرتا کہ وہ کہاں ہے جس کے جواب میں رب کہتا ہے میں بالکل قریب ہوں۔

(جواب):پوچھنا جستجو ہے اور انسان کا حال ہے کہ وہ رب تلاش کرنے جنگلوں, پہاڑوں اور کنوؤں میں چلہ کشیاں کرتا ہے۔فرمایا جو میں کہتا ہوں مانو میں قریب ہی ہوں۔کوئی پوچھے یا نہ پوچھے ہر ایک کا سوال ہے لہٰذا قرآن کے طالب علم کو جواب مل گیا اب سوال کرنے کی گنجائش نہیں ہے لیکن بے علم تو اب بھی سوال کریں گے لہٰذا اللہ نے ایمان والوں کو جواباً مطمئن کر دیا کہ میں قریب ہی ہوں۔ہمارا بھی سوال تھا ہمیں جواب مل گیا کہ حکم مانو مجھ سے ملاقات ہو جائے گی۔

سوال نمبر8:روزہ داروں کو حکم ہے کہ وہ اپنی عورتوں سے بدکلامی کریں۔(جواب):بدکلامی کے ترجمے سے ہم اتفاق نہیں کرتے۔ اس کا جواب ہے کہ ہم اسے مباشرت کا ہی مترادف سمجھتے ہیں جو اللہ نے آگے باشروھن کہہ کر رفث کا معنی خود کر دیا ہے۔ یہاں روزہ داروں کو ماہ صیام میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانے کی اجازت ہے۔بدکلامی کا مفہوم ہمارا نہیں ہے۔

سوال نمبر9: اللہ نے باوجود معلوم ہو جانے کے کہ لوگ کوئی خیانت کر رہے ہیں اس خیانت کو ہی جاری رکھنے کا حکم دیا۔

(جواب): رات کو صیام کر کے لوگ خود ساختہ پابندی لگا کر اپنے نفسوں کی حق تلفی کر رہے تھے لہٰذا اللہ نے ان کی خود ساختہ پابندی کو ختم کیا ہے اور راتوں کو یہ پابندی ختم کر دی راعنا کی پابندی بھی ختم کی تھی۔ یہ سوال آپ کے خود ساختہ ترجمے کی ذہنی اختراع ہے ہمارا اس ترجمے سے اتفاق نہیں۔

سوال نمبر10: الفجر کون سی وہ خاص فجر ہے جس کی وجہ سے فجر کو معرفہ لایا گیا ہے۔

سوال نمبر11:الخیط الابیض اور الخیط الاسود معرفہ کیوں ہیں؟ان سے کونسا خاص سفید اور کالا دھاگہ مراد ہے۔

سوال نمبر12:الَّيْلِ وہ کون سی خاص رات ہے جس کی وجہ سے عام رات کو الَّيْل(معرفہ) لایا گیا۔
جواب 11اور12: الفجردن کا آغاز ہے لٰہذا لام تعریف سے ہمیں کوئی ابہام نہیں ہے الخیط الابیض اورالخیط الاسود میں بھی لام تعریف اس خاص خط کی طرف اشارہ ہے جورات اور دن کی تقسیم کرتا ہے۔لٰہذا الفجردن کا آغاز ہے جو دنیا کو رات اوردن میں تقسیم کرتا ہے الیل میں آغازِ لیل کا تصور ہے لام تعریف سے کوئی فرق نہیں پڑتا الیل کا لفظ قرآن میں تقریباً 74بار آیا ہے۔رات کے معنوں میں النھار کے مقابلے میں اورمعرف باللام سے ہے وہاں لام تعریف پرکوئی وضاحتی نوٹ نہیں ہے اور نہ ڈاکٹر صاحب کی نظر وہاں جاتی ہے۔یہاں لام تعریف کی بحث بیکار ہے۔
سوال نمبر13:مساجد میں اس عمل سے روکا گیا جس کی عام حالات میں اجازت دی گئی ہے۔(جواب):کون سے عمل سے روکا گیا ہے اس کی موصوف نے وضاحت نہیں کی۔دوران اعتکاف مسجد میں مباشرت سے روکا گیا ہے اورہم اسے حکم ربانی مانتے ہیں۔
الصیام کا اصل مقصود تو وہاں ہی بیان کر دیا جسے موصوف بار بار تقویٰ پیدا نہیں ہوتا کا سوال اٹھا رہے ہیں اب نیا مقصود کیا ہے اس کی وضاحت ہماری طرف سے ہوگئی ہے حکم کی نافرمانی سے بچنا ہے۔اس حکم کی نافرمانی سے بھی تم تقویٰ سے محروم ہو جاؤ گے اگرچہ تم سارے قرآن کے ہی عامل کیوں نہ ہو۔ایک الصیام کی نافرمانی سے بھی تقویٰ کی تکمیل رک جائے گی۔2/188 میں تو صرف ایک حکم ہے مال کو باطل طریقے سے نہ کھانے کا حکم ہے اور موصوف صرف اسی ایک حکم کو مقصودِ صیام ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ یہی حکم 4/29 میں ہے اور کبھی 2/177 کو معیار تقویٰ ٹھہرا رہے ہیں تذبذب کا شکار ہیں۔حقوق العباد کی اصطلاح غیر قرآنی ہے سب کے سب حقوق اللہ کے ہیں۔اللہ کا حکم ماننے اور عبد بننے سے معاشرہ غلامی سے آزاد ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اس مومن سے محفوظ ہوتے ہیں۔بندہ مارنے کا حکم ہو، الطاغوت کی نافرمانی کا حکم ہے۔کافروں،مشرکوں اورفسادیوں اور اللہ کے نافرمانوں سے الگ ہونے کا حکم ہے یا بندوں کو زندگی دینے کا حکم ہے یا کسی کی فرمانبرداری کا حکم ہے یا معاہدہ صلح کا حکم ہو یا خود جان دے دینے کا حکم ہو۔اللہ کا حکم ماننے میں خیر ہے اور نہ ماننے میں نقصان ہے۔تقویٰ کا معیار نفع ونقصان نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کی نافرمانی سے بچنا تقویٰ ہے اس میں کوئی مفاہمت نہیں ہے ۔جان ومال اسی راہ میں قربان کرنے کے لئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے موقف کی حمایت میں ایک صاحب کی تقریر کے چند نقاط

ا۔ افسوس ہے کہ میرے دوستوں کی عقل کو کیا ہو گیا ہے مثال دیتے ہیں فعلِ لازم کی **صام الماء** پانی رک گیا اور جب الصیام کی تشریح کرتے ہیں تو رکنے کا عمل ساقط اور روکنے کی بات شروع کردیتے ہیں ۔موصوف صبح سے لے کر شام تک کھانے پینے سے رکنے پر اعتراض کرتے ہوئے 20/118 کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ جنتی معاشرہ میں بھوک ننگ نہیں ہو گی کیا موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں بھوک

ننگ نہیں وہ گھر جنتی ہے چاہے وہاں شرک ہورہا ہو بھوک ننگ کا نہ ہونا جنتی نظام کا معیار ہے اگر بھوک ننگ نہیں ہے تو پھر 2/154 میں ولنبلونکم بشی ءٍ من الخوف والجوع o اس آیت میں الجوع سے کیا مراد ہے اس قرآنی تضاد کو ختم کریں کہ ''ہم تم سے بھوک کے ذریعے ٹیسٹ لیں گے'' دوسری طرف بھوک کا نہ ہونا جنتی نظام کا طرّہ امتیاز ہے۔

صرف سمجھنے کا فقدان ہے الصیام بھوک نہیں ہے انتظامی حکم ہے جو فرض ہے۔ اگر دنیا میں جنتی نظام میں جنگی یا ہنگامی صورتِ حال میں بھوک پیاس سے بھی دو چار ہونا پڑے تو جنتی نظام پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ یہ ٹیسٹ کا حصہ ہے۔

۲۔ پھر 20/2 میں لتشقیٰ 20/2 میں جو سعادت کی د شقاوت ہے جس کے معنی بدبختی کے ہیں مشقت کے معنی لے کر اسے صیام پر فٹ کررہے ہیں کہ یہ بڑی مشقت ہے اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے راستے میں کوئی مشقت آمیز کام نہیں ہے یہ موصوف کی کم علمی کہوں کہ ھٹ دھرمی کہ قرآن کی بے شمار آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کی راہ میں بے پناہ مشقت آمیزی ہے جو صبر کرتے ہیں انہیں کیلئے صلہ ہے پھر 2/154 کا مطالعہ کریں۔ ولنبلونکم بشيءٍ من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین o لتشفی کا معنی مشقت کر کے 2/154 سے تضاد کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک طرف مشقت ہی مشقت ہے تو دوسری طرف نزول قرآن سے مشقت ختم ہو جاتی ہے قرآن پر ایمان سے سعادت مندی کا عندیہ ہے جس کا الٹ بدبختی ہے، نافرمانی ہے۔ فرماں برداری میں تکلیف، مشقت اور خواہشات پر پابندی ہے۔ عُسر کے ساتھ ہی یُسر ہے۔ (94/5)

۳۔ موصوف لَعَلَّ کے معنی تا کہ کرنے کے بعد بھی یقیناً کا معنی کر رہے ہیں۔ گویا کہ اصول پسندی کا کوئی یہاں وہم و گمان بھی نہیں۔ لسان عربی کی واقفیت کا فقدان ہے۔

۴۔ صیام میں کھانے پینے کے اوقات مقرر کیے ہیں کھانا پینا بند نہیں کیا۔ دنیا کے تمام ادارے دوران ڈیوٹی کھانے پینے کی پابندی لگاتے ہیں۔ پابندی چاہے ایک گھنٹے کی ہو یا اس سے زیادہ ہو۔ باقاعدہ کھانے کے اوقات ہوتے ہیں اس سے پہلے کوئی ڈائینگ ہال میں کھانے کیلئے نہیں جا سکتا۔ صرف ہمیں اللہ کی پابندی پر اعتراض ہے۔ دوران ڈیوٹی کھانے پر پابندی ہے اس کیلئے باقاعدہ وقفہ ہوتا ہے۔ موصوف پتہ نہیں کس دنیا میں رہ رہے ہیں جہاں منہ میں نوالہ ڈال کر کام کیا جاتا ہے۔ کھانے پینے کی پابندی سے آزاد معاشرہ ادارہ نہیں بلکہ دودھ پیتے بچوں کی دنیا شمار ہوتا ہے جو ذراسی بھوک پر رونا شروع کر دیتے ہیں اور فیڈر منہ میں دے دیتے ہیں۔

۵۔ موصوف کا یہ کہنا کہ حکم کے عین مطابق کام کرنا خشوع و خضوع ہے اس کا مطلب ہے کہ جو وحی میں ثابت ہے اس کا انکار کرنا اور جو وحی میں نہیں ہے ثابت کرنا خشوع وخضوع نہیں ہے موصوف یہی کام کر رہے ہیں جس کو دانستہ نہ سہی نادانستہ غیر شعوری طور پر کر رہے ہیں۔

٦۔ ایک طرف تو موصوف کہ رہے ہیں کہ کتاب متقی بنائے گی 2/1 اور 2/63 اس کتاب میں سب کچھ پیش کرو جو اس میں ہے دوسری طرف 2/177 کی آیت پر بضد ہیں کہ اس آیت میں جو احکام آئے ہیں صرف ان پر عمل کرنے سے ہی انسان

متقی بن جاتا ہے۔اس میں الصیام کا حکم نہ ہونے کی وجہ سے محترم نے الصیام کا معنی رکنے کی بجائے وحی کی پیروی کرنا کر دیا ہے۔اس میں **القصاص** ، **القتال** اور **الوصیۃ** وغیرہ کافی احکام نہیں۔موصوف کے کلیہ کے مطابق سب کا معنی وحی کی پیروی کریں گے کیونکہ 2/177 ان احکام سے خالی ہے۔موصوف کا اس کے بارے کیا خیال ہے یا یہ حوالہ صرف صیام کے لیے ہے۔باقی کا استثناء ہے جو جناب کی خود ساختہ غیر قرآنی فہم ہے۔

۷۔ الصیام اور صوامع کو ایک مادے سے قرار دے کر موصوف نے اپنی ہٹ دھرمی کو علم کی سند قرار دے دیا ہے اور جو لوگ اس کو الگ مادے سے تسلیم کرتے ہیں انہیں جہالت کی سند دے دی ہے کیا یہی موصوف کا علمی معیار ہے؟ ملتے جلتے رباعی و خماسی مجرد مثلاً **سفرجل**،**جرفس**، **جرمز**،**جرهد**، **فصفص**،**فصعل**،**جلبب**، **حملج**، **حملق** اس قسم کے اور بہت سے ثلاثی مجرد کی فہرست میں ملیں گے مثلاً **سفرجل** س ف ر کے مادہ میں ملے گا اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ **سفرجل** کا معنی **سفر** کے مادے کے تحت ہے۔اسی طرح **صوامع** اور **صوامل** ص و م کے مادے میں ملیں گے لہٰذا یہ لسان عربی سے ناواقفیت کا سبب ہے کہ اسے صیام کے ہم معنی قرار دیا جائے اور رباعی مجرد کا انکار کیا جائے۔اس غلطان پر خاموشی یہ کوئی علمی اتفاق نہیں ہے بلکہ علمی خیانت ہے۔بے علم لوگ چپ سادھ سکتے ہیں کیونکہ وہ جانتے نہیں۔

۸۔ موصوف نے قرآن سے 19 صفاتِ مومنین کو ادارے قرار دے کر ایک اور حیرت انگیز انکشاف کیا ہے کہ یہ ادارے ہیں عام لوگوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔محترم نے یہ نہیں بتایا کہ یہ لفظ بغیر لام تعریف کے کہاں کہاں آیا ہے اور وہاں یہ ادارے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی ادارے اور عام لوگوں میں فرق کرنیوالی آیات نوٹ نہیں کروائیں۔ ابہام پیدا کر کے موصوف آگے چل دیئے مزید ملائکہ کی بجائے جہنمی دروغوں 74/30 کی مثال دے کر یہ ثابت کیا کہ جنتی معاشرہ کی نہیں بلکہ جہنمی معاشرہ کی وزارتیں ہیں۔موصوف بغیر سوچے سمجھے بغیر کس اصول کے،روایت کے تعصب میں ہٹ دھرمی کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور انہیں یہ پتہ نہیں چل رہا کہ جنتی معاشرہ میں جہنمی وزارتوں کا کیا کام ہے۔ اس تمہید کے بعد موصوف **یا یھاالذین اٰمنوا** کے بارے انکشاف کرتے ہیں کہ یہ حکم عام لوگوں کیلئے نہیں ہے۔یہ حکم قرآن میں کم و بیش 90 بار دوہرایا گیا ہے اب موصوف کی ذمہ داری ہے ان تمام مقامات سے عام لوگوں کو خارج کر کے قرآن کا عامل معاشرے کو بنا کر دکھائیں سوائے کسی دیوانے کی بڑ کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔محترم کا یہ کہنا کہ قرآن کے متن سے کسی شے کی نفی کی جائے ہم اسے سراہتے ہیں یہ بہت اچھی کوشش ہے لیکن ثابت شدہ شے کے متنِ قرآن کو بگاڑنا اور من چاہا مفہوم دینا درست نہیں ہے اس سے ہم کبھی بھی اتفاق نہیں کر سکتے۔یہی کوشش موصوف کر رہے ہیں۔

۹۔ **اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ** (مختصر دورانیہ،شارٹ کورسز) مریض سے مراد ذہنی مریض اور سفر پر سے مراد علمی سفر پر،منکم سے مراد ذمہ دار لوگ لیے ہیں۔یہ موصوف کے علم میں نہیں ہے یا وہ ہٹ دھرمی کا ثبوت دے رہے ہیں۔کسی بھی ادارے میں ذمہ داری، کورس کروانے کے بعد دی جاتی ہے حتیٰ کہ ایک سپاہی اور کلرک بھی مطلوبہ کورس کے بعد ڈیوٹی پر کھڑا ہوتا ہے اس کے بعد کوتاہی سزا یا ملازمت سے برطرفی ہوتی ہے۔موصوف کے بارے حیرت ہے کہ وہ شاید بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند

کر کے کہے جا رہے ہیں کہ دوبارہ وہی کورس کراؤ۔

۱۰۔ **یطیقونہ**' اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے موصوف کہتے ہیں کہ ذمہ دار لوگوں کے علاوہ عوام میں سے لوگ خود اپنے اوپر ذمہ داری ڈال رہے ہیں اور حیرت ہے کہ اپنے کہے کی تردید کر رہے ہیں۔اس تشریح سے ادارے اور عوام میں موصوف نے فرق مٹا دیا۔طوّق اور اطاق کے معنی میں جو فرق پیدا ہوتا ہے اصول لسان عربی سے موصوف ناواقف ہیں اس لیے وہ غیر ذمہ دارانہ گفتگو کر رہے ہیں جس میں سوائے ھٹ دھرمی کے اور کچھ بھی نہیں ہے ۔طوّق کا معنی طوق ڈالنے کے ہیں اور اطاق کے معنی طاقت رکھنے کے ہیں۔

۱۱۔ فدیہ کا ترجمہ دوسروں کو مصیبت سے چھڑانا ہے یہ خیر والا کام کوئی بھی کردے اس کے لیے بہتر ہے یہاں موصوف ادارے کو بھول گئے ہیں اور ادارے کا کام عام کر دیا ہے کہ کوئی بھی کرے یہ کہ تربیت کرو تو بہتر ہے یہ کام عمومی ہے ہی نہیں تو عام آدمی تربیت کس کے لیے کرے گا اس لیے موصوف جذبات میں عقل و شعور کے دامن سے خالی ہو گئے ہیں۔جو منہ میں آتا ہے کہے جا رہے ہیں اور اپنے ہی قول کی تردید کرتے جا رہے ہیں۔کمزور لوگ فدیہ دے کر قیدی چھڑاتے ہیں۔یہ جرمانہ ہے۔ طاقتور اپنے قیدی لڑ کر بھی چھڑا لیتے ہیں۔فدیہ کا مطلق یہ معنی کرنا دوسروں کو مصیبت سے چھڑانا درست نہیں ہے۔

۱۲۔شہر رمضان مشہور آگ اور تپش جو معاشرے کو جلا ڈالے اس کے بارے قرآن نازل ہوا ہے جو بھی تم مومنوں میں سے سٹیٹ کے افراد میں سے اس مشہور آگ کا مشاہدہ کریں گواہ بن جائیں پس اس کی تربیت کریں۔ذہنی مریض اور علمی سفر والے سٹیٹ کے لوگ اس کے گواہ کیسے بن سکتے ہیں جب کہ یہ آگ تو انہوں نے خود لگائی ہے یا پھر عمومی ہے جس کا موصوف انکار کر رہے ہیں۔

۱۳۔ شارٹ کورسز میں یہ لوگ سوال کریں گے کہ اللہ کے قوانین کہاں ہیں جبکہ ایمان لانے کے بعد ہر شخص پر عیاں ہوتا ہے کہ اللہ کے احکامات اللہ کی کتاب میں ہیں اللہ کی موجودگی کی خبر اللہ دے رہا ہے کہ وہ تمہارے قریب ہی ہے, تمہیں دیکھ رہا ہے۔موصوف ایک غیر مشاہداتی بات کر رہے ہیں کہ یہاں خاص سٹیٹ کے لوگ ہی سوال کریں گے۔

۱۴۔ لیل کا معنی لیلیت ,نساء کا معنی کمزور لوگ,**باشرو** کا معنی بشارتیں اور خوشخبری موصوف کی کم علمی کا مظاہرہ ہے۔ رفث سے مراد یہاں فحش کلامی سیاق کلام سے مناسبت نہیں رکھتا۔گویا یہ مختصر سا تقریر پر تنقیدی جائزہ تھا اگر محترم کی تحریر مل جاتی تو تنقیدی مواد میں اضافہ کی گنجائش ہے اور تقریر کی بجائے تحریر پر زیادہ غور و خوض کیا جا سکتا ہے اتنے غیر ذمہ دارانہ اور بے اصولی بیان پر صرف علم سے نا آشنا لوگ ہی دھوکہ کھا سکتے ہیں علم والوں کے لئے تو قرآن ہی کافی ہے وہ اس کے حکم سے بال برابر بھی نہیں سرکتے۔حکم کی تعمیل ہی ان کیلئے تقویٰ ہے۔نفع و نقصان معیارِ تقویٰ نہیں ہے۔اسکے بعد بڑے وثوق سے ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن میں مؤمنین کی 19 صفات ہیں۔ **المتقین، المومنین، المسلمین، المفلحون، الساجدون، القائمون، الراکعون، المصلین، الطائفین، العاکفین، القانتین، الصادقین، المبشرین، المنذرین،العالمون، الذاکرین، المستغفرین، المقسطین، الربانیون، العابدون، الحافظون، المجاهدون،**

السائحون، التائبون، ان 24 صفات کے علاوہ اور بھی ہیں۔ محترم صرف 19 کے قائل ہیں۔بغیر تحقیق کے ٹوٹل تقریر کی ڈاکٹر صاحب نے حمایت کی ہے جو جہالت پر اتفاق کا ثبوت ہے کہ چلو ایک اور ہم خیال مل گیا اور جو مرضی وہ کہہ دے ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ شہادت حق نہیں ہے۔شہادت حق اگر اپنی ذات کے خلاف بھی دینی پڑے تو دے دو۔قرآن کا یہی حکم ہے۔ڈاکٹر صاحب کا صوامع کا صیام کے مادے کے تحت آنے کی وجہ کیا ہے۔اس سوال کے جواب دینے میں چُپ سادھ لینا شہادتِ حق سے انحراف کے مترادف ہے۔شہادتِ عدل کے خلاف ہے۔ایسے لوگوں سے قرآن فہمی میں بھی عدل اور دیانت کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ لسانِ عربی کا کوئی معمولی سا طالبِ علم بھی رباعی اور خماسی مجرد سے واقفیت نہ رکھتا ہو کہ یہ الفاظ بالترتیب ثلاثی مجرد کے ماتحت ہی لغت میں لکھے جاتے ہیں لیکن ان کے معنی ثلاثی مجرد والے نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الصیام قرآن کی روشنی میں

صام , یصوم , صیاماً ۔رکنا مصام رکنے کی جگہ,صوماً رکا ہوا بالکل ایسے ہی جیسے قام ، یقوم ، قیاماً (کھڑے ہونا۔) مقام (جہاں قیام کیا جائے)اور قوم (جس نے قیام کیا ہو)۔یہ فعل لازم ہے متعدی کی کوئی مثال نہیں۔لہٰذا صام کا معنی روکنا اور قام کا معنی کھڑا کرنا ہو ہی نہیں سکتے جو شخص بھی ایسے کرتا ہے وہ علمی حلقے سے خارج ہے لہٰذا الصیام اصطلاح قرآن ہے۔کن باتوں سے یا کن کاموں سے رکنا ہے یہ اللہ تعالیٰ بتائیں گے اور اصطلاح قرآن میں صرف ان کاموں سے اللہ کی منشاء کے مطابق رکنا الصیام کہلائے گا۔ ہر کام سے رکنا الصیام نہیں ہے۔یہ مفہوم کسی کی اپنی خواہش تو ہوسکتی ہے مگر اللہ کی منشاء قرار دینے والا مفتری ہے ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا قرآن کے طالب علم کی ذمہ داری ہے اور دوسروں و ایسی بے علم گفتگو و تحریر سے آگاہ کرنا بھی قرآن کے طالب علم کی ذمہ داری ہے۔قرآن 2/183 تا 2/187 میں الصیام اپنی تمام جزئیات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔الصیام کا کوئی جز بھی غیر قرآن سے لینے کی ضرورت نہیں پڑتی لہٰذا ایسے واضح حکم کو قرآن والے یا کوئی غیر بغیر کسی ثبوت کے اس کی نفی کریں تو یہ ان کے عبادالرحمٰن ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔الصیام کا قرآنی مفہوم ملاحظہ فرمایئے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡکُمُ الصِّيَامُ کَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ۝۱۸۳

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر الصیام فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیے گئے تھے امید ہے کہ تم اس حکم کی خلاف ورزی سے بچو گے۔2/183 مذکورہ آیت میں لفظ اٰمَنُوۡ ہے جو باب افعال سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی لفظی تصریف ہے ۔ اٰمَنَ (ماضی) یُؤۡمِنُ (مضارع) مُؤۡمِنٌ (فاعل) مُؤۡمَنٌ (مفعول)۔ اِیۡمَانٌ (مصدر) اس کے معنی ماننے کے ہوتے ہیں۔قرآنی اصطلاح میں اے ایمان لانے والو! اللہ کو حاکم ماننے والو! اس کا مطلب غیر اللہ اور غیر قرآن پر ایمان لانے والو ہرگز نہیں ہوتا اسلئے ایمان لانے کے بعد اللہ کی باتوں کو نہ ماننے والے ایمان سے خارج ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ دعویٰ ایمان کا کرتے رہیں۔ اَمِنَ (س) امن میں آنا, اَمُنَ (ک) امانت, امینٌ امانت دار ہونا۔ہم اَمِنَ جس کا معنی امن میں آنا ہے۔اس کی تصریف لفظ کرتے ہیں۔ اَمِنَ (ماضی) یَاۡمَنُ (مضارع) اٰمِنٌ (فاعل) مَاۡمُوۡنٌ (مفعول) مُؤۡمِن'' (ظرف) اَمۡناً ، اِمَاناً اس کے معنی امن میں آنے کے ہوتے ہیں۔قرآن میں اس مادے سے مضارع یَاۡمَنُ 7/99 میں استعمال ہوا ہے اور آیت کا آغاز اَفَاَمِنُوۡ سے ہے ۔اب آپ اَمِنُوۡ اور اٰمِنُوۡ میں فرق بخوبی کر سکتے ہیں لہٰذا اب جو اٰمَنُوۡ اور اٰمَنُوۡا کا معنی ماننے کی بجائے اَمۡن میں آنے والا کرے اس سے میں آپ کو ہوشیار باش ہی کی ہدایت دے سکتا ہوں۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا کا خطاب

قرآن میں تقریباً 90 بار دوہرایا گیا ہے اور مجموعی طور پر سب ایمان والے مخاطب ہیں۔اب مُؤمِنٌ' اَمِنَ کا اسم ظرف ہے اور ''اَمَنَ کا فاعل ہے اس اشتراک سے جو غلط فہمی ہوتی ہے اسے دور کیا جائے نہ کہ مادے کی بنیاد پر غلط مفہوم دے کر جاہلیت کو عام کیا جائے اس کے لیے علم کی ضرورت ہے جو بے علموں اور ماہرین انانیت کے بس کی بات نہیں ہے۔ گزارش ہے کہ انا پرستی اور انا پرستوں سے جان چھڑائی جائے اور علمی سقم کو دور کیا جائے نہ کہ قرآنی حکم کو غیر علمی مفہوم دے کر من چاہی تاویل کر کے اللہ کے ہاں مجرم بننے کی کوشش کی جائے اور دوسروں کو بھی جہالت پر ڈٹ جانے کی تبلیغ کی جائے۔الصیام کے بارے مختصر سی آغاز ہی میں تشریح کر دی ہے یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ الصیام قرآن میں آٹھ بار آیا ہے۔2/196,196,188,187,183 ,4/92 ,5/95,89, صیاماً 58/4,اور صوماً ایک ہی بار 19/26 میں ہے۔قوم کا لفظ قرآن میں 383 مرتبہ آیا ہے اور قیام دو مرتبہ 51/45,39/68 قیاماً 5 بار 25/64,5/97,4/102,4/5,3/101 قوم کا لفظ 383 بار میں سے ایک بار بھی قیام کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا جو کہ صیامٌ' اور صوماً کے اوزانِ اصول پر ہے لہٰذا گذارش ہے کہ الصیام اور صوماً کو ایک مادے کی بنیاد پر ایک ہی سمجھنا علمی سقم ہے جو ان مثالوں سے اظہر من الشمس ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُم: یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے پہلوں پر بھی یہی فرض تھا جس کی یہاں تفصیل ہے جیسے دوسرے مقام ہیں سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلاً (17/77)یہ ایک سنت ہے جو ہم اپنے رسولوں کی طرف تجھ سے پہلے بھیج چکے ہیں اور ہماری سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔33/58 میں ہے سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْ مِنْ قَبْلُ اللہ کا یہ قانون پہلے لوگوں میں بھی گزر چکا ہے۔اب منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کا کوئی واقعہ قرآن میں درج نہیں تو کیا اللہ کے اس حکم کا انکار کر دیا جائے۔قرآن فہمی کا یہ بہت ہی عجیب انداز ہے۔يُرِيْدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (4/26)اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دے اور تمہیں رہنمائی دے ان لوگوں کی سنتوں کی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ثابت ہوا کہ قرآن کا حکم پہلے لوگوں پر بھی فرض تھا یہ قرآن پہلے لوگوں کی سنتیں ہیں کیا اب ہر حکم کے عمل کرنے سے پہلے اس حکم پر عمل کرنے کا کوئی واقعہ قرآن میں معلوم کرنا ضروری ہے قرآن فہمی کا یہ انداز رہا تو کسی حکم پر آپ عمل نہیں کر پائیں گے ,4/26, 33/58 17/77 آیات ہی ہمارے لیے کافی ہیں اور اللہ کا یہ کہنا ہی کہ یہ پہلے لوگوں پر فرض کیا تھا ہمارے لیے کافی ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ایسا ہی ہے ہمیں اب قرآن سے کوئی واقعہ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

لَعَلَّكُمْ : لَعَلَّ حرفِ رجا اور امید و امکان ہے۔لَعَلَّ فعل ماضی پر لگانے سے شک کے معنی پیدا ہوتے ہیں، امید کی دلالت ہوتی ہے۔رجوع مخاطب کی طرف ہوتا ہے جیسے کہ 20/44 میں اللہ نے فرمایا۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى پس اسے قَوْلًا لَّيِّنًا کہو شاید (امید کی جاسکتی ہے کہ) وہ نصیحت حاصل

کرے اورڈر جائے۔ لَعَلَّ کَیْ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔مقصد کی طرف رہنمائی ہوتی ہے بہرحال قرآن میں 129 مقامات ہیں کہیں بھی اس کا معنی یقیناً نہیں کیا جاتا تا کہ اور شاید ہی کے معنی کئے جاتے ہیں جو امید ورجا کا مفہوم رکھتے ہیں۔امید ورجا کا معنی کر کے یقیناً کے معنی سمجھ لینا ھذا شئیُ عجیب۔یہ غوروفکر کا مقام ہے صرف عقل والوں کیلئے۔

یَتَّقُوْنَ ، تَتَّقُوْنَ: یہ کلمات اِتَّقیٰ، یَتَّقُوْ سے ہیں جس کے معنی بچنا، پرہیزکرنا، ڈرنا ہے۔ثلاثی مجرد وَقیٰ، یَقِیْ، وقایة ہے جس کے معنی بچانا، حفاظت کرنا ہے تو یہاں تتقون سے مراد اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے بچنا ہے، اس کی خلاف ورزی سے ڈرنا ہے نہ کہ کوئی نتیجہ نکالنے کی بات ہے۔اللہ کے حکم ماننے میں نتیجہ سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے ہم جیتے ہیں یا مرتے ہیں ہم نے عہدِ وفاداری نبھانا ہے۔مالک نے کہہ دیا ہے کہ حکم ماننے میں فائدہ ہے اب حکم ماننے میں جان بھی چلی جائے تو سودا نفع مند ہے ہمیں کوئی نقصان نہیں ہوا۔حکم ماننے میں تقویٰ ہے۔جو لوگ تقویٰ کا معیار دنیاوی نفع و نقصان کو بناتے ہیں یہ ایمان و تقویٰ کا قرآنی معیار نہیں ہے یہ انہیں مبارک ہو۔ یہ ہی لوگ ہیں جو دنیاوی زندگی کی محبت میں آخرت کو بھول چکے ہیں۔ہم نے تو جان ومال کے سودے پر تقویٰ جانچنا ہے۔یہ ہی اللہ کا معیار ہے۔مذکورہ آیت کا قرآنی مفہوم لسان عربی کے مطابق واضح کرنے کی کوشش کی ہے امید ہے کہ آپ لوگ خود غوروفکر سے کام لے کر غیر قرآنی تصورات پر اندھے بہرے ہوکر نہیں گریں گے۔

اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَ عَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ ؕ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۴ ترجمہ: یہ الصیام گنتی کے دن ہیں۔پس جو تم میں سے ان دنوں میں مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں الصیام کی گنتی پوری کرلے اور ان لوگوں پر جو دوسرے دنوں میں صیام کی طاقت رکھیں وہ ایک الصیام کا فدیہ ایک مسکین کا کھانا دے سکتے ہیں۔پس جو اللہ کے اس حکم کی خوشی سے اطاعت کرتا ہے پس یہ اس کے لیے بہتر ہے۔لیکن الصیام کرنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔2/184

اَیَّا ماً مَّعْدُوْدٰتٍ :۔مرکب اضافی ہے۔گنتی کے دن۔ایام، یوم کی جمع ہے۔ مَعدُوْدٰتِ مفعول کے وزن پر ہے مَعْدُوْد'' کی جمع ہے اس کی لفظی تصریف ملاحظہ فرمایئے۔عَدَّ (ماضی) یَعِدُّ (مضارع) عادُ' (فاعل) مَعْدُوْد'' (مفعول) اس تصریف لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لفظ گنتی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے قرآن میں ماضی مجرد کے مفعول کے وزن پر یہ لفظ کہیں بھی تیاری کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا کیونکہ قرآن میں اَعَدَّ (باب افعال) یہ لفظ تیاری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کی لفظی تصریف ملاحظہ فرمایئے ۔ اَعَدَّ (ماضی) یُعِدُّ (مضارع) مُعِدُّ (فاعل) مُعَدُّ (مفعول) تیاری کے معنوں میں مُعَدُّ مفعول ہے مَعْدُوْد'' نہیں ہے لہٰذا اَیَّا ماً مَّعْدُوْدٰتٍ کے معنی سوائے گنتی کے ایام کے اور ہو ہی نہیں سکتے۔

نوٹ۔فعل اور مصدر کا مادہ ایک ہوتا ہے۔اس کی فیملی بھی ایک ہوتی ہے۔قرآن میں یہ مفعولِ مطلق کی مثال ہے اَعَدُّوْ لَہٗ عُدَّۃً 9/46 وہ تیاری کرتے جیسا کہ تیاری کرنے کا حق ہوتا ہے۔عُدَّۃً مفعولِ مطلق اَعِدُّوْ ہی کا مصدر ہے۔ ثلاثی مجرد عَدَّ کا مصدر نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ایک ہی فیملی سے ہونا لازم ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ پہلے فعل اَعِدُّوْ ہے اور مصدر مفعولِ مطلق گننے کی فیملی سے ہو گا بلکہ وہ بھی تیاری کے معنوں میں اَعِدُّوْ ہی کی فیملی سے ہے۔لہٰذا مَعْدُوْدٰتٍ کی فیملی اور لفظی تصریف سے اظہر من الشّمس ہے کہ مَعْدُوْدٰتٍ کے معنی شمار کرنے، گننے کے لیے جائیں گے۔اس لفظ کا تیاری کا معنی لینے والے بکری کو شیر اور شیر کو بکری سمجھنے میں مغالطہ کھا رہے ہیں وہ صرف چار ٹانگیں دیکھ کر فیصلہ کررہے ہیں۔اوپر نہیں دیکھتے ۔باقی خصوصیات علمی تقاضے کا مطالبہ کر رہی ہیں کیونکہ چار ٹانگیں ہی ان کے جذبات اورخواہشات کے لیے باعث تسکین ہیں لہٰذا وہ ڈٹ گئے ہیں جس کی وجہ سے شیر اوربکری کا فرق سمجھنا توکجا وہ تو شیر اور بکری کا منہ بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ اس لئے کہ غلطی تسلیم کرنی پڑے گی۔معمولی سا غور و فکر بھی فرق نمایاں کر دیتا ہے لیکن جہاں بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ہو وہاں حق وباطل میں امتیاز ختم اور حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ کا سماں ہر طرف دکھائی دیتا ہے۔

مَرِیْضاً اَوْ عَلٰی سَفَرٍ :۔ مریض سے یہاں مراد جسمانی مریض ہے سفر سے مراد زمینی سفر ہے قرآن میں جہاں بھی اللہ نے ذہنی مریض کی بات کی ہے وہاں فی قلوبٌ' کا ذکر ہے اور جہاں علمی سفر ہے وہاں اللہ کی اصطلاح فی سبیل اللہ ، ابن سبیل موجود ہے لہٰذا جسمانی مرض کیلئے 9/91 میں علی المرضیٰ مریض جسمانی کی جمع استعمال ہے اور زمینی سفر کے لیے سفراً قاصداً 9/42 ملاحظہ فرمایئے لہٰذا یہاں جسمانی مرض اور زمینی سفر کے علاوہ اور کوئی معنی لینا الصیام کے پورے موضوع کو بدلنے کے مترادف ہے۔

فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ:۔ پس مسافر اور مریض کا دوسرے دنوں میں اس مدت کی گنتی کو پورا کرنا ہے جتنے دن اس نے مرض یا سفر کی وجہ سے الصیام چھوڑا تھا۔ایامٍ اُخر سے ثابت ہوتا ہے کہ اَیَّاماً مَّعْدُوْدٰتٍ کے خاص دن ہیں جن میں تمام مومنوں پر صیام رکھنا فرض ہے ان دنوں میں جو مریض اور سفر پر ہو تو اس کے لیے دوسرے دنوں میں اس کی قضا کی سہولت ہے۔

وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ :۔ اَطَاق یُطِیْقُ سے ہے جس کے معنی طاقت رکھنے کے ہیں اور طَوَّقَ کے معنی طوق ڈالنے کے ہوتے ہیں۔ اَطَاقَ یُطِیْقُ کو طَوَّقَ کے معنی پہنانا زیادتی اور بے علمی کا مظاہرہ ہے ہمارا موقف یہ ہے کہ لفظی تصریف کرتے وقت سیاق و سباق کی وجہ سے لفظ کے معنی بدل جاتے ہیں اور اگر لفظوں کے اوزان اورگرائمر میں صرف و نحو میں تصریف کا اختلاف موجود ہو جیسے اَطَاق یُطِیْقُ اور طَوَّقَ یُطَوِّقُ میں ہے اور کوئی اسے ایک ہی معنی دے کر اپنا علمی مقام بنانے کی کوشش کرے تو سوائے دیوانگی کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ایک جیسا معنی بھی کرنے کے لیے کوئی قرآنی مثال ضروری ہے۔ دو ایک جیسے لفظ مختلف مفہوم دیں یا دو

مختلف لفظ ایک جیسا معنی دیں تو سوچنے کی ضرورت ہے۔قرآن فہمی کے ما انزل اللہ اصولوں کی پاسداری کے بغیر جو دل میں آئے معنی کرتے جانا مقصودِ قرآن یعنی منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا چاہیے جیسے مُؤْمِنُ' اسمِ ظرف بھی ہے اٰمِنَ کا اور بابِ افعال پر اٰمَنَ کا اسم فاعل بھی ہے۔الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ یہ وہ لوگ ہیں جو اَیَّاماً مَّعْدُوْدٰتٍ کے خاص دنوں میں مریض تھے یا سفر پر تھے اور دوسرے دنوں میں صیام رکھنے کی طاقت رکھتے تھے انہیں سہولت دی جا رہی ہے کہ فِدْیَةٌ' طَعَامُ مَسْکِیْنٍ کہ صیام نہ رکھنا ہو تو ایک قضائی صیام کے بدلے ایک مسکین کا کھانا ہے اور آگے یہ کہا جا رہا ہے کہ اَنْ تَصُوْمُوْ کہ صیام رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے گویا طَعَامُ مَسْکِیْنٍ ایک سہولت ہے ان کے لیے جو اَیَّاماً مَّعْدُوْدٰت میں مریض اور سفر پر تھے دوسرے دنوں میں پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں طَعَامُ مَسْکِیْنٍ سے زیادہ بہتر تمہارے لیے صیام رکھنا ہے اگر تم صیام کے فائدے جانتے ہو یقیناً اللہ تو جانتا ہے لیکن تم نہیں جانتے ہو۔گویا صیام کی طعامِ مسکین سے زیادہ اہمیت ہے۔لہٰذا اگر یہاں ماہ رمضان کا صیام نہیں ہے تو فدیہ طعام مسکین کس شے کا بدل ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٨٥ ترجمہ: یہ اَیَّاماً مَّعْدُوْدٰتٍ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا یہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے مکمل وضاحت اور حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے پس جو تُم میں سے گواہی دے اِس مہینے میں نزول قرآن کی پس وہ اس ماہ میں صیام کرے اور جو مریض یا سفر پر ہو اس دورانیہ میں پس وہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ ہر قسم کی آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ کسی قسم کی مشکل نہیں چاہتا اور تا کہ تُم قضا صیام کی گنتی کو پورا کر لو اور تا کہ تم اللہ کی کبریائی کا اعتراف کرو حکم کو ماننے کی بنیاد پر جس کی اُس نے تم کو ہدایت فرمائی ہے۔اُمید ہے کہ تُم حکم مان لو گے۔185

شَهْرُ رَمَضَانَ :۔ کسی بھی معروف نام کا تذکرہ جب قرآن میں آئے تو اس کے بنیادی مادے کو بغیر چھیڑے سیاق و سباق میں جو اس کی حیثیت ہے اسے بیان میں لایا جاتا ہے نہ کہ مادے کے اعتبار سے اس کی تشریح کی جاتی ہے اَیَّاماً مَّعْدُوْدٰتٍ اور اَیَّامٍ اُخَرَ کا فرق شَهْرُ رَمَضَانَ کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ایسا کرنے سے کلام اللہ ہی ابہام کا شکار ہو جاتا ہے اس لیے ان لفظوں کے مادّوں کی طرف ہمیں جانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ اَیَّاماً مَّعْدُوْدٰتٍ کی تشریح ہے لہٰذا قمری مہینوں کا نواں مہینہ رمضان معروف ہے اور شَهْر کا معنی مہینہ بڑا شہرت یافتہ ہے لہٰذا قرآن کے دوسرے مقام بھی شَهْر کے معنوں کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ مہینہ ہی ہے اگرچہ اس کے بنیادی معنی شہرت کے بھی ہیں اور مہینہ اسی لیے شَهْر کہلاتا ہے کہ وہ مشہور ہوتا ہے قرآن کے دوسرے مقامات ملاحظہ فرمائیے۔

شہرؔ 2/194, 2/217, 5/2, 5/97, 97/3, 9/36, 46/15 شھرین 4/92, 58/4 الشھور (شَھر کی جمع) 9/36 اربعة اشھر 9/5,9/2 ,ثلثه اشھر 65/4، 2/226, 2/234 لہذا قرآن میں الصیام کا حکم اپنی مکمل تشریحات کے ساتھ موجود ہے اس کا کوئی جزو بھی غیر قرآنی نہیں ہے کہ ہم اسے کسی کی خواہش قرار دے سکیں لہذا فَلْیَصُمْهُ میں ضمیر ہٗ مفعول فیہ ہے جو ظرف زمان کی نشان دہی کرتی ہے۔ پس اس شَھر کے یعنی رمضان کے مہینے کے صیام رکھنے چاہیے جو مریضاً یا علیٰ سفرٍ ہیں ان کو اللہ نے دوسرے دنوں میں اپنے چھوڑے ہوئے صیام کو پورا کرنے کی سہولت دی ہے اس سہولت کا اسی آیت کے اگلے حصے میں ذکر کر دیا ہے کہ اللہ آسانیاں چاہتا ہے۔ بے شک اللہ کے ہاں کائناتی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہیں 9/36۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک بیان جاری ہوا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر ایمان لاؤ۔ هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًاوَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابِ 10/5 وہی ہے جس نے سورج کو چمکدار بنایا اور چاند کو روشن بنایا اور اِن کی منزلیں مقرر کر دیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ سال میں 12 مہینوں کا نظامِ فلکی کائنات میں اللہ کا تجویز کردہ ہے۔ اور انسان نے سورج اور چاند کی ماہانہ اور سالانہ گردش کی تحقیق کر کے 12 مہینوں کا نظام بنایا ہے۔ لہذا مہینے قمری ہوں یا شمسی ہوں۔ بہرحال یہ اللہ کی دو نشانیوں سے بنائے گئے ہیں۔ اللہ نے ان کی منازل مقرر کیں ہیں تاکہ انسان ماہ و سال کا حساب لگا سکے۔ قمری اور شمسی کیلنڈر ماہر فلکیات نے بنائے ہیں جو 12 مہینوں پر مشتمل ہیں جس کی 9/36 آیت مصدق ہے لہذا ہم دونوں کیلنڈروں کو مانتے ہیں۔ رائج الوقت جو کام جس کیلنڈر سے وابستہ ہے شرعی لحاظ سے وہ کام اُس کیلنڈر کے مطابق کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ ہی یہ کفر ہے۔ ماہرینِ فلکیات وارض کے مطابق زمین کو 360 ڈگری پر تقسیم کیا گیا ہے۔ چاند روزانہ 12.2 ڈگری زمین کا سفر طے کرتا ہے۔ اس طرح تقریباً 29.6 دنوں میں یہ زمین کا چکر مکمل کرتا ہے۔ جسے ہم قمری مہینہ کہتے ہیں۔ زمین اپنے محور کے گرد تقریباً 24 گھنٹوں میں ایک چکر مکمل کرتی ہے جس کو ہم دن کہتے ہیں۔ زمین تقریباً 365 دنوں میں سورج کے گرد ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ جسے ہم سال کہتے ہیں۔ اس قرآن کی آیت کے مطابق قمری 12 مہینوں کا سال تقریباً 355 دن کا بنتا ہے۔ قمری اور شمسی کیلنڈر میں تقریباً دس دن کا فرق ہے۔ اس کے باوجود جب اللہ نے قمر و شمس دونوں کو ماہ و سال کی گنتی کیلئے جائز قرار دیا ہے تو دونوں کیلنڈر اسلامی ہیں ان میں کوئی غیر اسلامی کیلنڈر نہیں۔ عربی اور غیر عربی ہونے کی وجہ سے کوئی شے غیر اسلامی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی قرآنی حکم قمری کیلنڈر سے وابستہ ہے جو عربی میں ہے تو اُسے اُسی مہینے میں کرنا ضروری ہے۔ اختلاف برائے اختلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ رمضان قمری کیلنڈر کا نوا ں مہینہ ہے اس میں صیام فرض ہیں جو ہمیں رکھنے چاہیے۔ اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فَلْیَصُمْهُ میں ہٗ مفعولِ فیه ہے۔ یہ ضمیر ظرف زمان مفعولِ فیه شہرُ رمضان کی طرف لوٹتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ فی لگ جائے تو پھر یہ مفعول کی بجائے مجرور کہلائے گا۔ لہذا مفعول فیہ بغیر حرف فی کے ہوتا ہے۔ اس ماہ کے یا اس ماہ میں صیام رکھنے کا حکم ہے۔

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶ ترجمہ: اور جب میرے بندے میرے بارے تجھ سے پوچھیں تو بتا دینا میں ان کے قریب ہوں میں تو قبول کرتا ہوں جب بھی کوئی رغبت کرنے والا (مصباح) میری طرف رغبت کرے۔ پس چاہیے کہ وہ میرا حکم مان لیں اور چاہیے کہ وہ میرے ساتھ ایمان بالیقین رکھیں امید ہے کہ وہ ہدایت پا لیں گے۔ 186

مذکورہ آیت میں اللہ کے بارے تعارف کرایا جا رہا ہے کہ جس اللہ نے صیام کا حکم دیا ہے وہ تو تمہارے بہت قریب ہے لہٰذا اس میں خیانت نہ کرنا وہ نگرانِ اعلیٰ تمہارے ذہنوں کے رازوں تک جانتا ہے (3/154) وہ ہر جگہ موجود ہے۔ تین نہیں ہوتے مگر اُن کا چوتھا اللہ ہوتا ہے، پانچ نہیں مگر چھٹا وہ ہوتا ہے۔ (58/7) لہٰذا تمہاری رشد اسی میں ہے کہ میرا حکم مانو۔ پوچھنا جستجو ہے تلاشِ رب ہے، گویا کہ بتایا گیا ہے کہ حکم ماننے سے رب ملتا ہے۔ جنگلوں، پہاڑوں اور چِلّہ کشیوں میں رب نہیں ملتا۔ حکم کی تعمیل دراصل اللہ کی منشاء ہے۔ جس سے اللہ کا قرب ملتا ہے۔

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ ۠ وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷

ترجمہ: تمہارے لیے الصیام کے دورانیہ میں راتوں کو اپنی بیویوں کی طرف رغبتِ جنسی حلال کی گئی ہے۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تُم ان کا لباس ہو اللہ جانتا ہے کہ یقیناً تم تو اپنے نفسوں کی حق تلفی کر رہے تھے پس اُس نے تم پر مہربانی فرمائی اور تم کو عافیت دی ہے پس اب تم اِن بیویوں سے مباشرت کرو اور وہی چاہو جو اللہ نے تمہارے لیے فرض کیا ہے اور کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ تمہارے لیے دن کا سفید خطہ رات کے سیاہ خطہ کو صبح صادق (الفجر) سے واضح کر دے۔ پھر تم الصیام ﴿باشروھن (مباشرت) + کُلو + اشربو سے رکنا﴾ کے عمل کو رات (غروبِ آفتاب 91/4) تک مکمل کرو۔ اور جب تم مساجد میں اعتکاف کرو تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ مذکورہ اللہ کے احکام ہیں پس ان کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام واضح بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے امید ہے کہ وہ حکموں کی نافرمانی سے بچیں گے۔ 187

الرَّفَثُ :۔ فِیْ کَلَامِهٖ فحش گوئی کرنا۔ اِلٰی نِسَآئِکُمْ جنسی میلان و رغبت کرنا ہے اپنی بیویوں سے۔ آگے اسی آیت میں وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ اور اس سے پہلے بَاشِرُوْهُنَّ کے الفاظ الرَّفَثُ کی قرآنی تشریح ہے اُحِلَّ کا فاعل وہی ہے جو کُتِبَ کا ہے اور اس آیت کا شروع سے لیکر آخر تک ایک ہی فاعل ہے جو بات کر رہا ہے اور وہ اللہ ہے اور اللہ نے ان کی خود ساختہ پابندی کو اٹھایا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ :۔یہ میاں بیوی کےلیے فرمایا ہے کہ تم ایک دوسرے کا لباس ہو۔ الفاظ کا انتخاب اور پاکیزگی کا کیا کہنا۔ضابطہ حیات اور ادبی نقطہ نظرسے بھی بے مثال کتاب ہے۔اس لباس کے لئے ایمان اورکردارکی جانچ پڑتال ضروری ہے۔مشرک اور زانی سے رشتہ حرام ہے۔

تَخْتَانُوْنَ :۔خیانت کرنا، حق تلفی کرنا، اپنی بیویوں سے خود ساختہ جنسی میلان کی پابندی اپنی اورازواج، دونوں کی حق تلفی ہے کیونکہ آگے **بَاشِرُوْهُنَّ** کا لفظ اس مفہوم پر دلیل ہے اب الصیام اصطلاح قرآن ہے جس کی تعریف ہمیں قرآن سے معلوم کرنی چاہیے اس تعریف کا کسی شخص کو حق نہیں ہے لہٰذا قرآن نے بتا دیا کہ یہ **اَيَّاماً مَّعْدُوْدٰتٍ** ہیں یہ چند گنتی کے دنوں کا عمل ہے اوریہ گنتی کے دن رمضان کا مہینہ ہے اور اس مہینے کے اندر **الْفَجْرِ** سے لے کر **اِلَى الَّيْلِ** **مباشرت ، کُلو اور اشربو** سے رکنا ہے اور رات ہوتے ہی الفجر تک یہ پابندی اٹھا لی جاتی ہے۔

مزیدلوازمات :۔نزول قرآن کا مہینہ ہے لہٰذا اس مہینے میں سمجھ بوجھ کرکم از کم ایک دفعہ قرآن کو پڑھ لینا چاہیے اور مسجد میں انتظامی امور کی میٹنگ ہے کہ وہاں امن و سلامتی مہیا کرنے کےلیےدھرنا مار کر بیٹھنے والی انتظامی شوریٰ اپنے مقامی اور ملکی مسائل کے حل کے لیے تجاویز مرکز کو بھیجےاور اپنی خامیوں کا جائزہ لے۔القرآن کے دوسرے مقامات جہاں الصیام کا لفظ بطور سزا ہے وہاں بھی یہی عمل کرنا ہے جو یہاں اللہ نے بطور حکم تفصیلاً بیان کیا ہے وہ مقام درج ذیل ہیں۔58/4,5/89,95,4/92 ,2/196 آپ قرآن سے ملاحظہ فرمائیے۔

نوٹ :۔ڈاکٹر آرنلڈ البرٹ فاقےکو فطرت کا تجویزکردہ واحد عالمگیر قوی ترین علاج قرار دیتا ہے پوری میڈیکل ہسٹری میں فاقےکو قابل اعتماد علاج سمجھا جاتا ہے۔ بقراط ، گلیلیو اور پیراکیلس دوا کے ساتھ فاقہ کی ترغیب دیتے تھے۔معدہ، آنتوں اور جگر کی سنگین خرابیاں دور کرنےکےلئے فاقہ بے حد فائدہ مند ہوتا ہے۔فاقہ سے صحت مند خلیوں کی افزائش اور تعمیر کی رفتار تیز ترین ہو جاتی ہے فاقہ موثر ترین علاج ہے ۔(دواؤں کے بغیر علاج باب نمبر2 صفحہ نمبر19 ڈاکٹر ایچ۔کے باکھرو ترجمہ محمد یحییٰ خان)